پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا، بلوچستان، آزاد کشمیر اور فیڈرل پبلک سروس کمیشن
میں پوچھے گئے سوالات مع جوابات پر مبنی شاہکار کتاب
دانش اردو انٹرویو
(اردو ادب کے بنیادی موضوعات تراکیب اور اصطلاحات کا مجموعہ)
نثار دانش
ورلڈ ویو پبلشرز

مقدمہ، تقریظ اور دیباچہ میں فرق:۔

دیباچہ: کتابوں کے ابتدائی صفحات میں مصنف کی شخصیت یا فن کے تعارف کے طور پر جو تحریریں شامل کی جاتی ہیں اسے دیباچہ کہتے ہیں، عموماً دیباچہ کسی مشہور قلم کار اور دانش ور سے لکھوایا جاتا ہے۔ لیکن خود مصنف بھی لکھ سکتا ہے۔ اسے پیش لفظ بھی کہتے ہیں۔ عطاالرحمان نوری سے اصناف ادب میں بھی شمار کیا ہے۔

تقریظ: کے معنی ریویو کے ہیں مصنفین جب اپنے فیصلے کی فنی توضیح کرتے تھے اسے تقریظ کہا جاتا ہے (بہ حوالہ ڈاکٹر سلیم اختر، انٹرویو) بہ الفاظ دیگر اس مصنف کی مدح سرائی کی جاتی ہے۔ صرف خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ دیباچہ کی ابتدائی شکل ہے۔ کسی کتاب کا تقریظ کوئی اور لکھتا ہے خود مصنف نہیں لکھتا اس لیے اسے تقریظ نگار کہا جاتا ہے۔ دیباچہ اور تقریظ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دیباچہ میں مصنف، تصنیف اور ان کے فن کے حوالے سے بات کی جاتی ہے جب کہ تقریظ میں صرف خوبیوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

مقدمہ: دیباچہ میں جب تنقیدی و تحقیقی انداز اختیار کیا جائے تو اسے پھر عموماً مقدمہ کہا جاتا ہے۔ مسدس حالی اس کی بہترین مثال ہے۔ دیباچہ نگاری کا بانی مرزا رفیع سودا ہے۔ بعض محققین کے بموجب سودا سے قبل مدراس کے ایک اہم ادیب محمد باقر آغا دہلوی اس کا بانی ہے (بہ حوالہ اردو اصناف ادب از عطاالرحمان نوری)

عراقی طرز کی شاعری:۔

عراقی فارسی کے صاحب طرز شاعر ہیں۔ ان کا اسلوب شاعری جداگانہ طرز کے حامل ہے۔ فارسی میں اس اسلوب کو سبک عراقی کہتے ہیں۔ وہ شاعری جس میں معاملات عشق سے زیادہ معاملات حسن و جمال کا ذکر ہو۔ بہ قول سید عبداللہ ولی دکنی کی شاعری عراقی طرز کے قریب ہے۔

سرل ہارڈ ایشلے "آگ کا دریا" ناول کا کردار علامت ہے:۔

یہ کردار ایسٹ انڈیا کمپنی کی لوٹ مار کے دور کا نمائندہ کردار ہے اور اسی لوٹ مار کی علامت ہے۔

سائنٹفک تنقید کا دوسرا نام:

استقرائی تنقید جس کا بانی مولٹن ہے۔ اردو میں اس تنقید کا اہم نام مولانا شبلی نعمانی ہے یعنی شبلی اردو میں اس قسم تنقید کا بانی ہی ہے۔

ادبی اصطلاح:۔ وہ لفظ جو اپنے اصل معنوں کے بجائے کسی خاص علم یا فن کے دائرے میں مخصوص معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

لفظ Suspense سسپنس اور اردو ادبی اصطلاح:۔
اشتیاق تذبذب

نراجیت پسندی:۔
اردو ادب میں سب سے پہلے یہ اصطلاح الطاف فاطمہ نے انارکی یا انارکیسٹ کے لیے استعمال کیا ۔اس سے مراد ہے وہ شخص جس کا یہ عقیدہ ہو کہ معاشرے پر کسی قسم کے حاکمانہ اقتدار کی ضرورت نہیں ہے یا ایک سیاسی نظریے کے طور پر ہر قسم کے حاکمانہ اقتدار سے آزاد معاشرہ۔

انحطاط پسندی:۔
انیسویں صدی کے نصف آخر میں فرانسیسی شاعروں اور ادیبوں کا ایک گروہ سامنے آیا جس نے مروجہ جمالیاتی اقدار بغاوت کی۔خالص ادب کے نام پر اخلاقی اور معاشرتی اقدار سے انحراف کیا۔ماحول سے عدم موافقت اختیار کیا۔مواد پر ہیت کو برتری دی۔الفاظ کی صوتی کیفیات سے خوب فایدہ اٹھایا۔اس گروہ کا نام انحطاط پسندی ہے اردو ادب میں محمد حسن عسکری اس حوالے سے معتبر نام ہیں۔

میر اردو کا شیخ سعدی:۔
پُر تاثیر زبان،صاف کلام اور پاکیزہ ادا اور دلآویز بیان کی وجہ آزاد نے میر کو اردو کا شیخ سعدی کہا ہے۔

میر کو خدائے سخن:۔
بہ حوالہ تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ۔اکسیر شاعری چھوٹی بحروں کے بادشاہ بڑی بحروں میں بے مثال زبان دانی میں یکتا،غالب اور دیگر اساتذہ فن کا میر کی عظمت کو تسلیم کرنا جیسے خصوصیات کی بنا پر میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔

(یا)

حالی کا قول ہے کہ دنیا میں جتنے بھی شاعر استاد گزرے ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں جس کا تمام کلام حسن و لطافت کے اعلیٰ درجے پر واقع ہوا ہو کیوں کہ یہ خاصیت صرف خدا کے کلام میں ہو سکتی ہے" حالی کے اس زمانے کے تناظر میں شعرائے متاخرین اور ناقدین نے میر کے کلام کو حسن دل لطافت کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے۔اور میر کو خدائے سخن کہا گیا ہے۔

میر کو غزل کا بادشاہ:۔
(میر اردو کا شیخ سعدی اور میر خدائے سخن کی وضاحت ملاحظہ کریں)

ہند و پاک کی نئی غزلیہ شاعری کے درخشاں ملت سیارہ:۔
ناصر کاظمی، خلیل الرحمان، شکیب جلالی، شہزاد احمد، ظفر اقبال، بشیر بدر، ساقی فاروقی، فانی۔

اردو شاعری کا اختر شیرانی:۔
پروین شاکر

اردو ادب میں پروین شاکر کا موازنہ:
ایرانی شاعرہ فروغ فرخ زاد۔ اردو شاعری کا فروغ فرخ زاد، پروین شاکر کو کہا جاتا ہے۔

پاکستان کی پہلی جاسوسی فلم کی کہانی کا شاعر:۔
سلیم احمد

شاعر، متشاعر، مشاعرا ور تک بندی میں فرق:۔

شاعر: بہ قول کولرج شاعر میں یہ خوبیاں ہونی چاہیے ۔ زبردست قوت ارادی، بلند جذبات وخیالات اور زبردست قوت متخیلہ ۔ اس کے علاوہ شاعر کا کردار بلند ہو اور فلسفیانہ دل و دماغ کا مالک ہو۔ ان کی روح مذہبی احساسات اور جذبات سے بھی منور ہو تو عظیم شاعر ہوگا۔

متشاعر: وہ شعر گو جو محض موزوں مصرع یا شعر کہتا ہو (یا) شعر گو جو محض عروض پر عبور رکھتا ہو اور دوسرے شعرا کی نقل میں اشعار کہتے ہو، اسے متشاعر کہتے ہیں۔ یا مصنوعی شاعر بھی کہتے ہیں۔ بہ قول شخصے بندہ یا تو شاعر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا جو شاعر ہوتے ہیں ان کا کیا مذکور، جو نہیں ہے ان کو متشاعر کہتے ہیں۔

مشاعر: مشاعرہ پڑھنے والا فن کار۔ متشاعر کی ترقی یافتہ شکل یا فیس بک کی شکل کو شاعر کہتے ہیں۔ فیس بک کی وجہ سے بوالہوی اس کی اہم خصوصیت ہے۔ عروض سیکھتے ہیں۔ عجیب و غریب قافیے تلاش کرتے ہیں ۔ دوسرے شعرا کے کلام کے کان مروڑتے ہیں۔ رسائل اور کتابوں سے نظموں کے ٹکڑے اٹھا کر ان کو اپنے اوزانی پیمانوں میں فٹ کرتے ہیں۔ جیسے

مجھے   چائے   نہیں   پینی
ابھی   پی   کر   آیا   ہوں
سڑک   سے   ...   گزری   ہے

کسی کا یار بچھڑا ہے

اب مثال ملاحظہ کریں
چار الفاظ کا مجموعہ ہے حسن تمہارا
فیشن، فاؤنڈیشن، کریمیں اور مسکارا

* تک بندی: ایسا شعر یا شاعری جس کا وزن ردیف، قافیہ درست نہ ہو یا بے معنی اور بے موقع قافیہ پیمائی

مثال

لیمے کو کمرا کیا کمرائے
ہاتھی کو بڑا کیا بڑائے

فلسفی شاعر اور شاعر فلسفی میں فرق:۔

وہ شاعر جن کے ہاں ایک مربوط، ٹھوس اور واضح فلسفہ موجود ہو اسے فلسفی شاعر کہا جاتا ہے جیسے اقبال۔ وہ شاعر جن کے ہاں ٹھوس اور جامع فلسفہ ہو مگر ان کے کلام میں فلسفیانہ عناصر اور جھلکیاں موجود ہوں جیسے غالب، میر، درد وغیرہ

آپ بیتی، خودنوشت، خودنوشت سوانح عمری اور سوانح عمری میں فرق:۔

آپ بیتی: اپنی زندگی کے احوال واقعات کا بیان "آپ بیتی" کہلاتا ہے۔ اسے خودنوشت اور خودنوشت سوانح عمری بھی کہتے ہیں۔ آپ بیتی کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ سفرنامہ، رپورتاژ، روزنامچہ (ڈائری) وغیرہ (بحوالہ اصناف ادب از رفیع الدین ہاشمی) غیر انسانوں کی آپ بیتی بھی ہو سکتی ہے جیسے مختلف جانوروں، پرندوں اور مختلف بے جان اشیا کی آپ بیتیاں۔

سوانح عمری (Biography): وہ صنف ادب جس میں کسی فرد کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے تمام واقعات و حالات کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔

خودنوشت سوانح عمری: وہ سوانح عمری جو خود لکھی گئی ہو۔ اردو ادب کی پہلی آپ بیتی "بیتی کہانی" 1885 میں شہر بانو بیگم نے لکھی جب کہ 1886 میں "کالا پانی" کے نام سے جعفر تھانیسری نے لکھی۔ (بحوالہ محسن الدین عقیل ادبی، اردو کی اولین سوانح عمریاں) پہلی سوانح عمری "حیات سعدی" حالی سنہ 1883 میں لکھی (بحوالہ رفیع الدین ہاشمی)

"بکٹ کہانی" یہ محمد افضل جھنجھانوی کا منظوم افسانہ ہے۔ بارہ ماسہ کی روایات میں لکھی گئی ہے۔ یہ ایک ہندو لڑکی سے عشق کی کہانی ہے۔ جس کے لیے افضل نے علمی کا پیشہ چھوڑ کر مندر میں پجاری بن گئے تھے اور محبوبہ کو حاصل کیا تھا۔

ادبی تحریک:-
جب بہت سے ادبا کے قلب و ذہن میں ایک جیسے خیالات پیدا ہوں اور ان خیالات کو ایک جیسے انداز میں بیان کرے تو ادبی تحریک وجود میں آتی ہے۔

بانکپن، بانک، جوش اور کو ادرخوب لگانے میں مشہور شاعر:-
محمد رضا برق

ریختی کا شعر:-
بیگمات میں جو بڑی ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا
پہنے پوشاک زری ہوں تو بھلا تجھ کو کیا

آرٹ، فن اور ادب میں فرق:-
آرٹ: علم و فن خصوصاً فنِ لطیف (شاعری، موسیقی، مصوری، اداکاری بت تراشی وغیرہ) کو آرٹ کہا جاتا ہے۔
فن: کسی علم کی شاخ یا اس پہ مہارت کو فن کہا جاتا ہے۔ وغیرہ
ادب: انسانی جذبات، احساسات، محسوسات کو موثر اور تحریری شکل میں بیان کرنا ادب کہلاتا ہے۔ نظم، نثر اور ان کے متعلقات کو ادب کہا جاتا ہے۔

فن آفرینی:
ہنر مندی، فنی خوبی سے کسی فن یا ہنر کو احسن طریقے سے نبھانا، ادا کرنا اور پورا کرنا۔

ادب برائے ادب کا نظریہ:-
اردو ادب کا نظریہ ہے۔ اس نظریہ کا مقصد یہ ہے کہ ادب ایک خاص جمالیاتی چیز ہے ادب کا مقصد صرف خوشی، مسرت ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس نظریے کے مصنفین کا مقصد قاری کو صرف جمالیاتی مسرت سے ہمکنار کرنا ہوتا ہے اور یہی اس کا نصب العین ہے۔ مختصراً کسی فن پارے سے صرف حظ اٹھانا ہی اس نظریے کا مقصد ہے۔ حلقہ اربابِ ذوق کی ابتدائی بیس سال اس نظریے کی قوی مثال ہے۔

تعمیر آشیاں سے میں نے یہ راز پالیا
اہل نوا کے حق میں بجلی ہے آشیانہ
یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

مختصراً آپ کی شاعری نے پوری انسانیت کو خواب خرگوش سے جگایا اور زندگی کو تابندہ سے پائندہ بنایا

عیسیٰ بن آفاقی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں "جس شاعری سے ملت کا دل قوی ہو اور اس کی اہمیت بلند ہو اس کو اعلیٰ درجے کی اعمال حسنہ میں شمار کرنا چاہیے"۔ یہ قول اقبال کی آفاقی شاعری پر بہترین دلالت کرتا ہے۔

ع عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

نوٹ: اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ کر صدق دل سے اقبالؒ کی شاعری کو تسلیم کیا جائے تو اس کی شاعری کو حقیقتاً آفاقیت کے جلوے اسلامی تعلیمات ہی نے عطا کیے ہیں۔

مابعد الطبیعاتی شاعری:۔

وہ شاعری جو جذبے سے زیادہ فکر کے متعلق ہو اور دل سے زیادہ دماغ اور بعض اوقات صرف دماغ کو اپیل کرتی ہے۔ جیسے غالبؔ۔ اقبالؔ، میرؔ وغیرہ کی شاعری۔

وحدت فن یا وحدت تاثر:۔

جواب: مختلف خیالات، مناظر اور واقعات کو کسی ایک جذبے اور کسی لڑی میں پرونا اسے وحدت فن یا وحدت تاثر کہا جاتا ہے۔ جو افسانے کا بنیادی جز ہے۔

آفاقی یا آفاقیت:۔

جب کسی ادب پارے میں یا شاعر کے کلام میں ہر ملک اور ہر زمانے کے لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت موجود ہو تو اسے آفاقیت کہتے ہیں جیسے اقبالؔ، غالبؔ وغیرہ۔

فکاہیہ کالم نگاری:۔

جب کوئی کالم نگار اپنے کالم میں عصری مسائل کے بارے میں مزاحیہ یا کم از کم شگفتہ انداز میں اظہار کرے اسے فکاہیہ کالم نگاری کہتے ہیں۔

شعریت:۔

یہ کلام منظوم کی وہ خصوصیت ہے جو اسے شعر کا درجہ دیتی ہے۔ جذبے کا گداز، فکر و احساس اور ...

ن کی خوبی شعریت کی بنیادی عناصر ہیں۔

فنون لطیفہ:۔

موسیقی، مصوری۔ رقص، سنگ تراشی، خطاطی اور فن تعمیر کو فنون لطیفہ یا ہنر ہائے

ارٹ بالخصوص شاعری

جس سے انسان حظ اٹھاتا ہے۔

ریا کہا جاتا ہے۔ یہ وہ فنون ہیں

بر فنون لطیفہ:۔

ترکھانی۔ دکان دار و مستری وغیرہ فنون لطیفہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

فنون لطیفہ اور فنون مفیدہ میں فرق:۔

اگر کسی فن کا مقصد تخلیق ہو اور جس کے ذریعے فرصت و مسرت مہیا کرنا ہے تو ایسا فن فنون لطیفہ میں شمار

ہوگا۔ اور اگر کسی فن کا مقصد کسی مادی ضرورت کی فراہمی ہے تو ایسا فن فنون مفیدہ میں شمار ہوگا۔

اردو ادب میں خواتین شعرا کی کمی کی وجوہات:۔

شاعری آزاد خیالی کا نام ہے عورت جس معاشرے کی پیداوار ہے وہاں کچھ سماجی مذہبی اور نفسیاتی

پابندیاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کے خیال اور اظہار پر پابندی ہوتی ہے جس سے وہ ڈرتی ہے اور اظہار نہیں

کر پاتی۔

اردو ادب میں چوٹی کی خواتین نثر نگار، وجوہات:۔

اردو ادب میں خواتین شعرا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وجہ پہلے سوال میں ملاحظہ کریں جب کہ نثر میں

سوائے خیالات کھلے طور پر اظہار کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس لیے نثر میں میں خواتین کے بڑے بڑے نام موجود ہیں

مختصر شاعری میں سوائے خیالات کھلے طور پر اظہار کی محتاج جب کہ نثر میں نہیں ہوتی۔ اس لیے اردو شاعری میں

چوٹی کی شاعرہ موجود نہیں اور نثر میں چوٹی نثری خواتین موجود ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ہمارے معاشرے نے مرد

کو آزادی دی ہے عورت کو نہیں۔ اس لیے عورت مشرقی اقدار کی زنجیروں نے جکڑ کر رکھا ہے اور مرد آزاد ہے

یہی صورت حال ہمارے اردو ادب کا ہے۔

جعفر زٹلی کا تخلص:۔

لفظ زٹلی کے لغوی معنی ہیں بکواسی، فضول گو اور بے ربط گفتگو کرنے والا۔ مغل دور کی معاشی اور سیاسی

زوال کو خوب تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کے لیے طنز ظرافت، ہزل گوئی اور اجوبات سے کام لیا۔ کلام میں فحاشی، عریانی

اور عکو بھی شامل ہو گیا۔ اس لیے زٹلی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یاد رہے یہ ان کا تخلص نہیں ہے۔ ایک کتاب

کا نام زٹلی نامہ بھی ہے۔ اس حوالے سے زٹلی قسم کی ایک نظم کے چند اشعار۔

خصم کو جو اٹھ مارے
گریباں باپ کا پھاڑے

زنوں سے مرد بھی ہارے
عجب یہ دور آیا ہے

غزل ایک ٹیڑھی پسلی صنف، کیوں:۔

سلیم اختر نے غزل کو ٹیڑھی پسلی صنف کہا ہے۔ آپؐ کا حدیث ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ عورتوں کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا ہے۔ اس لیے غزل کی صنف عورتوں کے لیے مخصوص ہے اور عورت کی مانند غزل پر رنگ میں رنگ افروز ہوتی ہے یعنی تمام نسوانی ادائیں مختلف پیرائے میں مل جاتی ہیں اس لیے اسے ٹیڑھی پسلی کہا گیا ہے۔

دوہا کے ہر مصرے میں ۲۴ ماترائیں:۔

ماترائیں ۔ ماترا کی جمع ہے جس کے معنی ہیں جز، حصہ، اعراب کے نشان وغیرہ۔ دوہے کا مصرعہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک حصے میں ۱۳ ماترائیں اور دوسرے میں ۱۱ ماترائیں ہوتی ہیں اور ان کے درمیان ہلکا سا وقفہ ہوتا ہے۔

اصناف کا شناختی کارڈ:۔

اس سے مراد مذکر اور مونث اصناف ہیں یہ لفظوں کا کھیل ہے یا سلیم اختر کے تحلیلاتی محرک میں یونگ کی مردانہ روح اور زنانہ روح کا اصول کارفرما ہے۔ مذکر اصناف میں قصیدہ، مرثیہ، قطعہ، شہر آشوب، جب کہ مونث اصناف میں غزل، مثنوی، رباعی وغیرہ شامل ہیں۔

ماہ لقا چندا بائی کا مختصر تعارف:

اسے اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ کہا جاتا ہے۔ ماہ لقا کا دیوان ۱۷۹۸ میں مرتب ہوا جو انڈیا آفس لندن میں موجود ہے۔ ماہ لقا اپنے وقت کی امیر ترین خاتون تھی۔ فن موسیقی، رقص اور محفل آرائی شاعری، تاریخ شہ سواری اور تعمیرات سے شوق تھا۔ نواب میر نظام علی خان کی منظور نظر تھی۔ عمر بھر شادی نہیں کی ایسے ویسے شخص کو منہ نہ لگاتی حیدر آباد میں اپنا مقبرہ خود تعمیر کرایا۔ چندہ کے دیوان میں ۱۲۵ غزلیں ہیں ہر غزل میں ۱۵۶۵ اشعار ہیں

[illegible] بھی کی گئی۔

[illegible] حوالے:-

[illegible] حوالے موجود ہیں اگرچہ ان میں سورج مل جاٹ کی قتل و غارت اور لوٹ مار تقریر کی

[illegible] موجود ہے۔

[illegible] شعر:-

کہا دوستوں نے کہا ہے شور یار
ہیں مشہور دیوان تیرے تین چار

نوٹ۔ یہ جارج پیش کا شعر ہے شور تخلص تھا۔ پانچ دیوان مرتب کیے۔

مرثیے کے علاوہ مزاحمتی شاعری کے چند شعرا کے نام:-
(۱) فیض (۲) جالب (۳) جوش (۴) فراز (۵) فہمیدہ ریاض۔

غزل کا بانی:-
فارسی شاعر ابوالحسن رودکی (۳۲۹ ہجری) نے قصیدے کی جسد سے تشبیب کو الگ کر کے نئی صنف غزل متعارف کرائی جو نیزے کی پسلی کی مانند تھی۔

اردو کی مقامی اصناف:-
داستان، گیت اور دوہا۔ ان اصناف نے فارسی اور انگریزی اسلوب کے اثرات سے خود کو محفوظ رکھا اور اپنے خصوصی تشبیہے اور بدلتا اسلوب اپنے ہندی فن کو برقرار رکھا۔

مرثیہ خالص اردو صنف:-
مرثیہ اردو ادب کی مقامی اور پیداوار نہیں ہے مگر اردو کو یہ فخر و امتیاز حاصل ہے کہ اس نے مرثیے کو ایک منفرد صنف فن کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اس کے فنی اور ہیئتی لوازمات کا تعین کیا اور دنیائے شاعری میں رزمیہ شاعری کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ مرثیہ نے ہندوستان کی سرزمین میں نشوونما پائی اور پروان چڑھا عربی اور فارسی میں مرثیہ شاعری کے نمونے موجود تھے۔ نوعیت جداگانہ تھی کوئی صنف اور ہیئت مقرر نہیں تھی اردو ادب نے اسے منفرد صنف فن کے طور پر متعارف کرایا (بحوالہ اردو کی شعری اصناف از ڈاکٹر خواجہ اکرام)

نوٹ: خواجہ صاحب کے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرثیہ اگرچہ موجود تھا مگر اسے خاص صنف اردو ہیئت کا درجہ اردو ادب نے دیا لہٰذا یہ اردو کا اپنا صنف سخن مانا جائے تو کوئی قباحت نہیں۔

سرقہ اور توارد میں فرق:۔

سرقہ کے معنی ہیں چوری، مصرعوں یا تخیلات کے چوری کو سرقہ کہتے ہیں یا کسی کی تحریر، اشعار یا واقعہ کو اپنے سے منسوب کرنا یا چوری کرنا سرقہ کہلاتا ہے یا کسی کی سوچ فکر اور خیالات کو اپنے نام سے منسوب کرنا بھی سرقہ ہے۔ ادبی سرقہ سے مراد ادبی چوری، کسی بھی مواد کو جس کے جملہ حقوق محفوظ ہوں بغیر اجازت یا اجازت کے ساتھ اپنے یا کسی اور نام پر ستعمال کرنا ادبی سرقہ کہلاتا ہے مختصراً روانا کسی کے خیال کو اپنے لفظوں میں بیان کرنا سرقہ ہے۔

توارد: شعری اصطلاح ہے جس مراد ہے باہم ایک جگہ اترنا۔ اتفاقی طور پر یا غیر دانستہ و غیر ارادی طور پر مختلف شعرا کے اشعار کا باہم لڑ جانا یا ایک ہو جانا ہونا، اور خیال اور سوچ کے آپس میں مل جانا توارد کہلاتا ہے۔

آمد اور آورد میں فرق:۔

آمد: جو شعر شاعر کی زبان یا قلم سے فوراً بے ساختہ ٹپک جائے یا وہ شعر جو بے غیر سوچ و فکر کے شاعر کی زبان اور قلم سے ٹپک جائے آمد کہلاتا ہے۔

آورد: جو شعر شاعر کافی سوچ بچار اور فکر کے بعد تخلیق کرے۔ اسے آورد کہتے ہیں۔

مفرس، معرب، موزد اور تہنید:

مفرس: فارسی جب عربی لفظ اپنا لے تو اسے مفرس یا تفریس کہا جاتا ہے۔

معرب: عربی جب فارسی لفظ اپنا لے تو اسے معرب یا تعریب کہا جاتا ہے۔

موزد: کسی غیر زبان کا لفظ جب اردو اپنا لے تو اسے تارید یا موزد کہا جاتا ہے۔

تہنید: عربی، فارسی اور دیگر زبانوں کے الفاظ جنہوں نے مقامی رنگ و روپ اختیار کر کے اردو کے الفاظ بن چکے ہیں۔ اسے تہنید (Indianisation) کہا جاتا ہے۔ یا وہ الفاظ جو ہندی زبان اپنا لے اسے تہنید یا مہنید کہا جاتا ہے۔

"چھلاوا چھپکلی" از مظہر علی خان ولا ہے۔ چھلاوا اور چھپکلی کا مطلب:

چھلاوا کا مطلب ہے بھوت، بلا، جن ہوٹ وغیرہ۔ اور چھپکلی کا مطلب ہے چھپکلی۔

جمالیات یا جمال اور جلال میں فرق:۔

حسن اور فنکاری کا فلسفہ یا وہ فلسفیانہ نظریہ جو حسن اور اس کے کیفیات، مظاہر، فنون لطیفہ وغیرہ کی تشریح میں پیش کیا جائے۔ جمال یا جمالیات کہتے ہیں۔

... جمالیات کی ایک قسم ہے۔ ایسا حسن جس میں جمال کے ساتھ جلال و شوکت و رعب و

... ہو اور بزرگی و بڑائی ہو۔ اور جو عام اصول جمیل سے زیادہ کرکے جلال کہلاتا ہے۔ جیسے آفتاب

... عظمت اور بزرگی ...

پہاڑ، دریا، سمندر وغیرہ۔

جمالیاتی حس اور جمالیاتی ذوق میں فرق:

جمالیاتی حس: وہ فطری صلاحیت جس کے ذریعے انسان خوب اور ناخوب میں تمیز کرتا ہے۔

جمالیاتی ذوق: وہ صلاحیت جس کے ذریعے انسان خوب اور ناخوب میں تمیز کرتا ہے۔ دونوں میں صرف فرق ''فطری صلاحیت'' کا ہے ایک فطری ہے دوسرا غیر فطری۔

تجریدی اور علامتی افسانے میں فرق:

تجریدی افسانہ: تجریدی کے معنی ہیں خیال و قیاس برجستگی وغیرہ۔ اصطلاح میں تجریدی فن سے مراد ہے تجریدی مصوری۔ جس میں مصور اقلیدسی شکلوں اور علامتوں کے ذریعے اظہار خیال کیا جاتا ہے اور تجریدیت سے مراد فن کار کا وہ خیال ہے جسے ابھی لفظوں کا لباس نہیں پہنایا گیا ہے۔ تجریدیت سے مراد [illegible] جس میں مختلف شکلوں کے ذریعے کہانی کا تانا بانا بنا گیا ہو۔ علامتی افسانہ یا علامت نگاری سے مراد [illegible] خیالات اور احساسات و جذبات کو مخصوص الفاظ و اشارات کی صورت میں بیان کرنا۔ جیسے سمندر [illegible] وغیرہ وسیع معنی رکھنے والی علامات ہیں۔

علامت نگاری صرف ایک اصطلاح نہیں بلکہ ایک تحریک کا درجہ رکھتی ہے۔ تین بنیادی اقسام ہیں۔ (۱) آفاقی: وہ علامتیں جن کا تعلق پوری انسانیت سے ہو مثلاً: پیار، خدا وغیرہ (۲) علاقائی علامتیں: وہ علامتیں جن کا تعلق کسی مخصوص خطے سے ہو مثلاً: [illegible] رانجھا، شیریں فرہاد وغیرہ۔ (۳) شخصی علامتیں: وہ علامتیں جن کا تعلق کسی شخص کی اپنی ذات کے [illegible] بہار، خزاں، اماں وغیرہ۔ انتظار حسین، احمد علی، عزیز احمد اس حوالے سے اہم نام ہیں۔

بیاض

وہ کتاب جس میں یادداشت و حساب و کتاب وغیرہ لکھتے ہیں۔ ادبی بیاض میں ادیب و شعرا اپنے خیالات، تاثرات اور یادداشت محفوظ کر لیتے تھے۔ اسے ہم دیوان اور تذکرہ کی ابتدائی شکل کہہ سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر سادہ یا لکھے ہوئے اوراق کی مجلد یا غیر مجلد کتاب جس میں چیدہ چیدہ اشعار یا منتخب مضامین یا نسخے وغیرہ لکھے گئے ہوں یا نہیں۔ بیشتر چھوٹے سائز کی ہوتی ہے اور خصوصاً جس کی جلد بندی یا سلائی چوڑائی میں کی گئی ہو۔

اردو ادب میں لفظ "الل ٹپ" کے معنی:

اس کے کئی معنی ہیں۔ ایک معنی ہے بے ترتیب۔ اردو ادب میں اس سے مراد ہے کہ بلا سوچے سمجھے یا محض سطر وضع اور اندازے کی بنیاد پر رائے قائم کرنا وغیرہ۔

اردو ادب میں "زحاف" کے معنی:

عروض کا اصطلاح ہے۔ عروض ارکان بحر جس میں سے کسی رکن میں تغیر جو کبھی دو حرفوں کے درمیان سے ایک حرف کو گرا کر یا کسی حرف کو ساکن کرنے یا کسی حرف کے اضافے سے کیا جاتا ہے۔ یا تغیر جو کسی ابتدائی سے اصل میں ہو جائے۔ یا ایک حرف ساکن کر کے بولنا۔

علامت نگاری، تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ میں فرق:

تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ، علامت کے زمرے میں آتے ہیں لیکن جدید ادب میں علامت نگاری کا استعمال مختلف ہے جو کہ ہر لمحہ کے ساتھ نئے امکانات ظاہر کر رہا ہے۔ جس طرح کائنات ہر لمحہ تغیر پذیر ہے اسی طرح علامتوں کا استعمال بھی مسلسل بدل رہا ہے۔ ۱۹۶۰ء سے علامتی اور تجریدی افسانے کا آغاز ہوتا ہے۔ انتظار حسین، انور سدید اور رشید امجد وغیرہ اس حوالے سے اہم نام ہیں۔

نوٹ: تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ کی وضاحت علم عروض و بدیع میں ملاحظہ کریں۔

کرداری، ڈرامائی، مہماتی، واقعاتی، نظریاتی، تاریخی، اصلاحی اور جاسوسی ناول کی تعریف:

کرداری ناول: جس ناول میں کہانی ایک مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہو۔ سارا تانا بانا ایک مخصوص کردار کے گرد بُنا گیا ہو۔ کرداری ناول کہلاتا ہے۔ مثلاً: نذیر احمد کے ناول توبۃ النصوح اور ابن الوقت وغیرہ۔

ڈرامائی ناول: اس ناول میں واقعات کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ تغیرات اور تبدیلیاں اتنی تیزی سے نمودار ہوتی ہیں کہ قاری اس میں ڈرامائیت محسوس کرتا ہے۔ بہت سے نتائج، توقعات کے برعکس برآمد ہوتے ہیں۔

مہماتی ناول: اس ناول میں ہر وقت نئے مہمات سامنے آتے ہیں۔ قاری نئی دنیاؤوں کا سیر کرتا ہے۔ ایسے ناول بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔

واقعاتی ناول: ایسے ناول جن میں واقعات کی بھرمار ہو اور کرداروں کے بجائے ڈھیلی ڈھالی قصہ گوئی پر زور دیا گیا ہو۔ واقعات کے پھیلاؤ کی وجہ سے قاری الجھن محسوس کرتا ہے۔ اس قسم کے ناولوں کا پلاٹ بھی ڈھیلا ہوتا ہے۔

فکری نظریاتی ناول: اس ناول میں کسی خاص نقطہ نظر یا نظریہ حیات کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دور جدید کی

پیدوار ہے۔ اس قسم کے ناول میں نظریے اور فن کا توازن برابر ہونا چاہیے اگر فنی پہلو نظر انداز کیا جائے تو واعظانہ رنگ غالب آجانے کا جیسے نذیر احمد کے ناولوں میں ہوا ہے۔ اس قسم کے ناول لکھنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

تاریخی ناول: اس قسم کے ناول میں تاریخ کے کسی دور کو پس منظر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ فنی لحاظ سے بلند پایہ تاریخی ناول لکھنا آسان نہیں۔ شرر نے اس قسم ناول لکھنے کا آغاز کیا۔ دورِ جدید میں نسیم حجازی سب سے بڑے تاریخی ناول نگار ہیں۔ مثلاً: فردوس بریں، آخری چٹان، محمد بن قاسم وغیرہ۔

اصلاحی ناول: معاشرتی اصلاح کے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر لکھے جانے والے ناول اصلاحی ناول ہوتے ہیں جو تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔ یہ نظریاتی ناول کی ایک قسم ہی ہے۔ مثلاً: مراۃ العروس، ایامیٰ، توبۃ النصوح وغیرہ۔

جاسوسی ناول: اس قسم ناول کی بنیاد تجسس تحیّر اور اضطراب پر ہوتی ہے۔ اس قسم کے ناول میں بالعموم مافوق الفطرت کردار ہوتے ہیں۔ اس ناول پر داستان کا گمان ہوتا ہے۔

ڈرامے کی اقسام:

المیہ: وہ ڈراما جس کا انجام المناک ہو۔ غم واندوہ، ہمدردی اور دہشت اس کی خصوصیات ہیں جس سے دردمندی اور رحم کے جذبات ابھرتے ہیں۔

طربیہ: وہ ڈراما جس کا انجام پُرمسرت ہوتا ہے۔ ادنیٰ اور مسخرے پن کے لوگوں کے جذبات کو پیش کیا جاتا ہے۔

سوانگ: ایک مختصر مزاحیہ تمثیل ہوتی ہے۔ جس میں ادنیٰ مذاق اور مبالغہ آمیز بذلہ سنجی اور ظرافت کا اظہار ہوتا ہے۔

میلو ڈراما: یہ یونانی لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی "گیت" کے ہیں لہٰذا وہ ڈراما جس میں گیتوں کی کثرت ہوتی ہے اور جذبات نگاری پر زور دیا جاتا ہے۔ ظاہری شان و شوکت کو اہم سمجھا جاتا ہے۔

ڈریم: وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ وہ ڈراما جس میں تمدن تہذیب اور معاشرت سے متعلق زندگی کے مختلف النوع مسائل پیش کیے جاتے ہیں۔ آفاقیت اس ڈرامے کا لازمی جز ہے آغا حشر کے ڈرامے، ترکی حور، دل فدایاں اور عورت کا پیار وغیرہ۔ اس حوالے سے اہم ڈریم ہیں۔

مخلوط ڈراما: وہ ڈراما جس میں ہر قسم کی نوعیت کے تاثرات ہوتے ہیں۔

یک بابی ڈراما: وہ ڈراما جس میں ایک ہی باب میں سارا ڈراما مکمل ہو جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں مقبول ڈراما تصور کیا جاتا ہے۔ اسے ایکانکی یک بابی ڈراما بھی کہتے ہیں۔

نشری ڈراما: وہ ڈراما جو ریڈیو سے نشر ہوتا ہے اور کانوں سے سنا جاتا ہے اسے ریڈیائی ڈراما بھی کہتے
ہیں۔

ناٹک، ڈراما، تمثیل اور سوانگ میں فرق:

ڈراما: ڈراما کا لفظ یونانی لفظ "ڈراؤ" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں کچھ کر کے دکھانا۔ ڈراما وہ کہانی ہے جس کو اداکاری کے ذریعے اسٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔

ناٹک۔ سنسکرت زبان کا لفظ ہے وہ کہانی جس میں ڈرامے کی طرح ربط ہو اور آخر میں طربیہ یا المیہ پر اس کا اختتام ہو۔ ڈرامے کی قدیم شکل ناٹک ہے۔ اس میں کہانی کے عہد کی اصل زندگی کی عکاسی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تمثیل: وہ کہانی یا ڈراما جس کا مقصد اخلاقی سبق دینا ہو۔ ایسی کہانی جس میں تشبیہات واستعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ اس میں موضوع پر براہ راست بحث کرنے کی بجائے اس سے تخیلی اور تصوراتی کرداروں، روزمرہ کے مسائل حیات اور انسان کے عقائد و تجربات سے ہوتا ہے۔ عموماً اسے کسی خاص روحانی یا کسی اخلاقی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے۔ جانسن کے لفظوں میں تمثیل سے مراد ایسا انداز بیاں ہے جس میں اکثر غیر ذی روح اور غیر ذی عقل اشیاء کو جان دار بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان باتوں یا کہانی کی مدد سے انسان کے اخلاق و جذبات کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔

سوانگ: ایک مختصر مزاحیہ تمثیل ہوتی ہے۔ جس میں ادنیٰ مذاق اور مبالغہ آمیز بذلہ سنجی اور ظرافت کا اظہار ہوتا ہے۔

نوٹ: بنیادی فرق: ناٹک ڈرامے کی ابتدائی شکل ہے۔ تمثیل بھی ڈرامے کی ایک قسم ہے مگر اصل مقصد اخلاقی سبق دینا ہوتا ہے۔ اور ڈرامے میں موضوع کی کوئی قید نہیں۔ اور ڈراما، ناٹک اور تمثیل کی جدید ترین شکل ہے۔

طویل تمثیل اور تشبیہ تمثیل میں فرق:

طویل تمثیل: طویل تمثیل جو نظم میں لکھی گئی ہو اور تمام تر لوازمات پر مشتمل ہو۔

تشبیہ تمثیل: اگر وجہ تشبیہ کئی چیزوں سے حاصل ہوئی ہو تو اس کو تشبیہ تمثیل یا تشبیہ مرکب کہا جاتا ہے۔

استقرا اور تمثیل میں فرق: استقرا کے لغوی معنی ہیں تلاش کرنا وغیرہ۔ اصطلاحی معنوں میں اس سے مراد ہے کہ وہ حجت جس میں جزئی سے کلی پر استدلال کیا جائے۔ یعنی کسی کلی کی اکثر جزئیات کی تفتیش کر کے کسی خاص وصف کا حکم پوری کلی پر لگانا استقرا کہلاتا ہے۔ جیسے ہم نے دیکھا کہ انسان، فرس، غنم وغیرہ چباتے وقت نیچے

والا جبڑا ہلاتے ہیں تو ہم نے تمام حیوانوں پر حکم لگا دیا کہ ہر حیوان چباتے وقت نیچے والا جبڑا ہلاتا ہے۔

تمثیل: (پہلے اس کی وضاحت ہو چکی ہے)۔

تمثیل میں چار چیزوں کا لازمی ہونا:

مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا گیا ہو)، مقیس (جس کو قیاس کیا گیا ہو)، علت اور حکم

رومانیت کی تعریف:

رومانیت ایک رویے کا نام ہے، جس میں انسان اپنے ماحول سے مایوس ہو کر خیالی اور تخیلی من پسند ۔۔۔نے کی کوشش کرتا ہے۔ یا رومانیت ایک داخلی قوت ہے جو نامعلوم کو دریافت کرتا ہے۔

علم عروض کو عروض کہنا:

اس علم کو عروض اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر شعر کو پرکھا جاتا ہے۔ یعنی شعر کو اس پر جانچتے ہیں تاکہ موز۔۔۔ و غیر موزوں علاحدہ ہو جائے۔

کلام منظوم:

وہ کلام (نثر) جس کو نظم کیا گیا ہو۔ ترتیب اور موزوں کیا گیا ہو۔

فٹ نوٹ:

فٹ نوٹ سے مراد وہ عبارت ہے جسے متن میں شامل کرنے کے بجائے صفحے کے نچلے حصے میں ۔۔۔ت الگ کر کے لکھا جاتا ہے۔ اسے ذیلی حاشیہ بھی کہتے ہیں۔

لفظ "ماجرا" کس ادبی فنی خصوصیت کا مترادف ہے:

پلاٹ

ناول، ڈراما اور مختصر افسانے کے لیے اردو ادب میں استعمال ہونے والا لفظ:

قصہ

نابغۂ روزگار کا مطلب:

اپنے زمانے کا سب سے ذہین، ذکی الحس (Genius) شخص، جیسے غالب، میر، اقبال وغیرہ

حلقۂ نیاز مندان لاہور سے مراد:

حلقۂ نیاز مندان لاہور میں شامل ادیب پطرس، ایم ڈی تاثیر، سالک، صوفی تبسم، عابد علی عابد،

عباس اور فیض احمد فیض پر مشتمل حلقہ تھا جو ان ادیبوں کو جواب دیتے تھے۔ جو پنجابی ادیبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پطرس بخاری اس گروپ کے سرخیل تھے۔

۷۲ نشتر میر کے مشہور ہیں ۷۲ خنجر کس کے مشہور ہیں:

مرزا رفیع سودا کے۔

مذہبی واقعات کو اجاگر کرنے والا ڈراما:

پیشن پلے۔

میر کے ۷۲ نشتر کی چند مثالیں:

ناز کی اس کی لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

سرسری تم جہان سے گزرے
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا

ع پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہیں

فراریت یا فراری ذہنیت سے مراد:

زندگی کے حقائق سے گھبرانا اور خیالی دنیا بسانا جیسے شراب نوشی کا سہارا لینا، خودکشی کرنا، داخلیت کی طرف آنا وغیرہ۔ غالب، ن م راشد، شکیب جلالی وغیرہ کے ہاں یہ عنصر پایا جاتا ہے۔

غالب حیوان ظریف، وجہ:

حالی نے غالب کی زندہ دلی، بذلہ سنجی اور شگفتہ مزاجی کی وجہ سے انہیں حیوان ظریف کہا ہے۔

اردو ادب کا اولین وہابی نقاد:

اردو ادب کا اولین وہابی نقاد کلیم الدین احمد ہیں۔ (بہ حوالہ عبدالسلام)

علم الکلام سے مراد:

وہ علم جو دینی احکام و عقائد کو معیار و عقل کے مطابق ثابت کرے۔ اردو ادب میں اس پر بحث سرسید احمد خان وغیرہ نے خوب کیا ہے۔

علوم منقول اور علوم معقول میں فرق:

قرآن و حدیث کے علم کو منقول کہتے ہیں جب کہ فلسفہ، ریاضی اور سائنس کے علم کو معقول کہتے ہیں۔

عمرو عیار ایک مشہور کردار:

عمرو عیار، داستان طلسم ہوش ربا اور داستان امیر حمزہ دونوں کا کردار ہے۔ یہ ایک سکہ بند کردار ہے جو حق کے لیے لڑتا ہے اور باطل کو شکست دیتا ہے اور قاری سے داد وصول کرتا ہے۔ یہ چالاک اور ذہین ہوتا ہے اور ہیرو کا قابل اعتبار ساتھی بھی۔ یہ ایک افسانوی کردار بھی ہے۔ ہمیشہ سے بچوں کا پسندیدہ رہا ہے طلسم ہوش ربا میں ایک جاسوس ہے۔ عمرو عیار کی زنبیل محاورے کی طرح مستعمل ہو چکا ہے۔ مثلاً دراصل ہمارے امرا اور سیاست دان ہوش زر اور ہوس اقتدار میں عمرو عیار کی زنبیل سے مشابہت رکھتے ہیں۔ عمرو عیار کے پاس ایک زنبیل ہوتی تھی جس سے وہ جو چاہتا کر سکتا تھا۔

سکہ بند کردار سے مراد:

وہ کردار جو جہانی یعنی اس دنیا کا آدمی ہوتا ہے کی بعض اصناف کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو گئے ہوں کہ قاری ان اصناف میں ویسے کرداروں کی توقع کرنے لگتا ہے اور بالعموم اس کی یہ توقع پوری بھی ہو جاتی ہے۔ عمر وعیار ایک زبردست سکہ بند کردار ہے مختصر وہ کردار جو پکا، سچا، معیاری اور حق کے لیے لڑنے والا کردار یعنی رواتی، چالو اور رائج وغیرہ۔

کلیم الدین احمد ایک وہابی نقاد، وہابی سے مراد:

یہ لفظ وہاب سے نکلا ہے۔ وہابی تشدید "یا" کے بغیر مستعمل ہے۔ اس سے مراد شیخ عبدالوہاب نجدی کا فرقہ ہے۔ نجدی سعودی عرب کے علاقے نجد میں پیدا ہوئے۔ اعتقادات میں اہل سنت والجماعت کے مسلک سے منسلک تھے۔ اصولوں اور پیروی میں حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے مقلد تھے مگر باقی آئمہ مجتہدین امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ میں سے کسی کے مذہب کے مطابق تقلید کرنے والوں پر بھی اعتراض نہ کرتے تھے نہ تقلید ائمہ کو ضلالت و گمراہی قرار دیتے تھے۔ اور اس پر علمائے دیوبند فتوے لگا کر اسے اس کے نام کی نسبت سے وہابی قرار دیا چونکہ کلیم الدین احمد بھی کسی قسم کی تنقید اور نقادوں کے اصولوں کی تقلید کے سخت مخالف تھے اور تمام تنقیدی اصولوں کو پس پردہ ڈال کر اپنے لیے ایک الگ راستہ اپنایا جو عبدالوہاب نجدی نے اپنایا تھا۔ اسی تناظر میں عبدالسلام نے اسے عبدالوہاب کے فرقے کا یعنی وہابی کہا ہے۔

سوانگ اور فارس میں فرق:

سوانگ ایک مختصر مزاحیہ تمثیل ہے۔ فارس ایک قسم عامیانہ تفریحی ڈراما ہے۔ سوانگ میں ادنیٰ مذاق اور مبالغہ آمیز بذلہ سنجی اور ظرافت کا اظہار ہوتا ہے جب کہ فارس میں عامیانہ تفریح کے لیے مضحکہ خیز واقعات اور

المیہ، رزمیہ، طربیہ اور غنائیہ میں فرق:

المیہ: الم سے منسوب، المناک۔ دکھ بھرا۔ بوطیقا میں ارسطو نے المیہ کی تعریف یوں کی ہے۔ وہ کہانی یا تحریر جس میں رنج و خوف کی وجہ سے جذبات کا تزکیہ نفس ہو جائے۔ یعنی وہ ڈراما جس کے واقعات میں غم دکھ کی فضا ہو اور وہ اپنے اختتام پر قاری کو افسردہ، ہمدرد اور غم گیر چھوڑ دے۔ اسے حزنیہ اور ہائلہ بھی کہتے ہیں۔

رزمیہ: ایک قسم کی طویل نظم جس میں کسی قوم یا فرد کے بہادرانہ کاموں کی سلسلہ وار داستان منظوم ہو۔ رزمیہ شاعری قصیدے ہی کی ایک شکل ہے اس میں کسی شخص کی طاقت، برتری اور شان و شوکت کو بیان کیا جاتا ہے۔ قدیم دور میں جب مرد شکار پر چلے جاتے تھے اور عورتیں اپنے مردوں کی تعریفیں ان کے شکار کے قصے اور ان کی بہادری کی داستان بیان یا نظم کرتی تو ایسی شاعری یا کہانی کو رزمیہ کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح سے جنگی نظمیں بھی مراد ہوتی ہیں۔ مگر رزمیہ کا کینوس بہت وسیع ہے۔ مرثیہ اور نعت بھی رزمیہ شاعری کے لیے موزوں اصناف ہیں۔ ملٹن کی "فردوس گم شدہ"، نظامی کا "سکندر نامہ" اور حفیظ جالندھری کا شاہنامہ اسلام اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ غالب، میر، سودا، میر حسن۔ میر انیس، میرزا دبیر، وغیرہ رزمیہ شاعری کی بنیادی ستون تسلیم کیے جاتے ہیں۔

طربیہ: ایسا ڈراما جس میں ہنسنے ہنسانے اور کھیلنے کھلانے کے عناصر موجود ہوں اور اس کا اختتام اور انجام پُر مسرت ہو۔ اس میں مسخرے پن اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کے جذبات کو پیش کیا جاتا ہے۔ یا ڈرامے کی ایک قسم جس میں بڑے چھوٹے مسائل کو طربیہ انداز میں موضوع بنایا جاتا ہے۔ اردو میں کامیڈی کا ترجمہ طربیہ کیا جاتا ہے۔

غنائیہ: ایک منظوم تمثیل یا ڈراما جو تمام تر نغمات پر مشتمل ہو یا ایسی شاعری جس میں حسن و عشق کے داخلی جذبات کا بیان [illegible] موسیقیت اور نغمگی بھی موجود ہو۔

[illegible] اور طربیہ کے لیے مستعمل لفظ:

[illegible] طربیہ کے لیے "انبساطیہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو اردو ادب میں مستعمل ہو چکا ہے۔

تخلص اور قلمی نام میں فرق:

تخلص: وہ نام جو شعرا اپنی شاعری میں اپنے اصل نام کی بجائے استعمال کرتا ہے۔ جیسے غالب، [illegible]

قلمی نام: وہ قلمی نام جو نثر نگار یا ادیب اپنے اصل نام کی بجائے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے پطرس بخاری، احمد ندیم قاسمی، وغیرہ۔ جن کے اصل نام احمد شاہ بخاری ہیں۔ انگریزی میں اسے Pen name کہا

جاتا ہے۔ قلمی نام کسی شاعر کا تخلص بھی ہو سکتا ہے اور فرضی

نوٹ: شاعر کے تخلص کو قلمی نام بھی کہا جا سکتا ہے۔

نام بھی۔ جیسے احمد ندیم قاسمی جو ایک بہترین نثر نگار کے ساتھ اچھے شاعر بھی ہیں اور ندیم تخلص استعمال کرتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی قلمی اور فرضی نام ہے اور تخلص بھی۔ مگر ادیب اور نثر نگار صرف قلمی نام یعنی فرضی نام سے ہی لکھتے ہیں۔ وہ اسے تخلص نہیں کہہ سکتے، تخلص صرف شاعری کے لیے مخصوص ہے۔

تخلص کی ابتدا:

تخلص کی ابتدا ایران کے شعرا نے کی۔

پطرس کا ابتدائی قلمی نام:

پطرس بخاری نے اپنی زندگی کا باقاعدہ آغاز تنقیدی مضامین لکھنے سے کیا اور اس کے لیے انھوں نے Peter Watkins کے قلمی نام سے کیا۔

قلمی نسخہ سے مراد:

ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر یا کتاب، اسے مخطوطہ اور غیر مطبوعہ کتاب یا نسخہ بھی کہا جاتا ہے۔

قلمی خاکہ سے مراد:

وہ مضمون یا تحریر جو ہاتھ سے لکھی گئی ہو اور اس میں کسی شخص کی صورت اور سیرت کا نقشہ کھینچا گیا ہو۔

طلیپ سے مراد:

انگریزی زبان سے دخیل اسم ہے جو اردو میں اپنے اصل مفہوم کے ساتھ عربی رسم الخط میں بطور اسم ہی مستعمل ہے۔ کتاب کا سرورق، گرد پوش یا اس کے کئی جز یعنی کتاب کا پہلا ورق طلیپ کہلاتا ہے اسے "ٹائٹل پیج" بھی کہتے ہیں۔

آسان لفظوں میں تانیثیت ایک شعوری تحریک ہے جو یورپ میں خواتین نے اپنے حقوق کے لیے شروع کی۔ تانیثیت انگریزی کی اصطلاح ہے اور عورت احساس کا نام

تانیثیت / نسائیت سے مراد

تانیثیت کو انگریزی میں "فیمنزم" کہا جاتا ہے۔ عورت کو عورت سمجھنے کی تحریک کا نام نسائیت ہے۔ فیمنزم ایک ایسی تحریک ہے جو عورتوں کے مساوی حقوق کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔

تانیثیت کا مطلب ہے دنیا کو عورت کی آنکھ سے دیکھنا۔ یعنی عورت زندگی اور اس کے متعلقات کو کس

نظر بھی ہے۔ اس کے نزدیک خیر اور شر کے پیمانے کون سے ہیں۔ وہ کائنات کا کیا مفہوم لیتی ہے۔ یہ بھی ایک
تحریک کا نام ہے جس میں لڑکی کی پیدائش سے موت تک درپیش واقعات اور مسائل حل کرنے سے متعلق کوششیں کی
جاتی ہیں۔ اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ تانیثی تھیوری کی پیش کش میں ایلین شووالٹر کا نام نمایاں ہے۔
تانیثیت کی ایک شاخ ہے جو دوسروں کو عورت ہونے کا احساس دلانے کا عمل ہے۔

تانیثی تھیوری کے بنیادی حصے:
بنیادی تین حصے ہیں (۱) عورت معاشرے کے تناظر میں (۲) عورت مرد کے تناظر (۳) عورت عورت
کے تناظر میں۔

اردو کا سب سے لمبا لفظ:
"تعلیقات" اردو کا سب سے لمبا اور بامعنی لفظ ہے (بہ حوالہ محسن حجازی)

اردو کا لفظ سب سے پہلے شاعری میں:
مراد شاہ لاہوری نے استعمال کیا۔ شعر ملاحظہ کیجیے۔

پسند طبع وزراء وشہاں ہے
غرض جو کچھ ہے اب اردو زبان ہے

مصحفی کا شعر اور اردو کا لفظ:

خدا رکھے زبان ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

اردو کا لفظ سب سے پہلے کس کتاب میں ملتا ہے:
تزک بابری میں۔

زبان اور بولی میں فرق:

زبان کے کچھ قواعد ہوتے ہیں۔ بولی کے لیے قواعد ضروری نہیں۔ زبان کثیر آبادی اور بڑے علاقوں
میں جبکہ بولی چھوٹے علاقوں اور مقامی ہوتی ہے۔ زبان معیاری اور فصیح اور اعلیٰ جو دفتروں، فصاحت اور ادب کے
لیے مستعمل ہوتی ہے۔ جب کہ بولی روزمرہ گفتگو کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ فصاحت اور درستی زبان کے لیے
لازمی، بولی کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

ماہر لسانیات، زبان اور بولی میں فرق:

ایک ماہر لسانیات کے لیے بولی اور زبان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں میں قواعد اور اصول ہوتے ہیں کس چیز کو زبان کہا جائے اور کون سی چیز بحیثیت بولی برقرار رہتی ہے۔ یہ ایک سماجی اور سیاسی مسئلہ ہے۔ ماہر لسانیات کے مطابق ایک قسم جسے عہدہ دار اور مالدار لوگ استعمال کرتے ہیں جو وقت مقررہ کے بعد زبان کہلاتی ہے۔ دھیرے دھیرے اس کی فرہنگ اور قواعد لکھی جاتی ہے۔ اور یہ علاقے کی ادبی زبان بن جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ یہ معیاری اور تعلیمی زبان بن جاتی ہے کچھ عرصہ بعد اس زبان سے ملتے جلتے مواصلات کے ذرائع زبان کی بولی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ صرف اس طریقوں سے ہی ہوتا ہے کہ زبانیں جیسے اودھی، برج وغیرہ جو ہندی کی مائیں ہیں اس کی بولیاں کہلاتی ہیں۔ بہ قول برائیٹ ''زبان فوجی اور بحری طاقت رکھنے والی ایک بولی ہے''۔

قدیم دور کے شعرا اور اسالیب کی تعداد:

قدیم دور کے شعرا کے سامنے تین قسم کے اسالیب تھے۔ (۱) غزل کا دکنی اسلوب (۲) نستعلیق فارسی کا انداز (۳) دلی کی گلیوں کی عوامی زبان کا لب ولہجہ۔

زبان کو فصیح بنانے کے لیے شعرا کا اسلوب:

- نستعلیق فارسی کا انداز۔

انس معین کی خودکشی کے حوالے اشعار:

انس معین نے ۵ فروری ۱۹۸۵ کو ملتان میں ٹرین کے نیچے آ کر خودکشی کی تھی۔ خودکشی کے حوالے سے ان کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

اس کے پیچھے چھپی ہیں کتنی دیواریں
جس کی یہ دیوار گرا کر دیکھو گا

میں اپنی ذات کی تنہائی میں مقید تھا
پھر اس چٹان میں اک پھول نے شگاف کیا

سارہ شگفتہ نے خودکشی کے حوالے شعر:

تجھے جب بھی کوئی دکھ دے
اس دکھ کا نام بیٹی رکھنا

سارہ شگفتہ کی بیٹی شیلی کے نام نظم:

تجھے جب بھی کوئی دکھ دے
اس دکھ کا نام بیٹی رکھنا
میرا جنم تو ہے بیٹی
اور تیرا جنم تیری بیٹی
تجھے نہلانے کی خواہش میں
میری پوریں خون تھوکتی ہیں

شکیب جلالی کی خودکشی کے حوالے شعر:

تو نے کہا نہ تھا کہ میں کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں کو اب نہ ڈھانپ مجھے ڈوبتے بھی دیکھ

ثروت حسین کی خودکشی کے حوالے شعر:

موت کے درندے میں اک کشش تو ہے ثروت
لوگ کچھ بھی کہتے ہوں خودکشی کے بارے میں

قمر بشیر کی خودکشی کے حوالے سے شعر:

قمر بشیر، شکیب جلالی سے بے حد متاثر تھے۔

موت کی بانہوں میں ہی جا کر قمر
زندگی کے راز کو سمجھوں گا

مصطفیٰ زیدی کی خودکشی کے حوالے سے اشعار:

سوچتا ہوں کہ اس دیار سے اور
ایک ایسا بھی دیس ہے جس کی
رات تاروں میں سج کے آئے گی
صبح ہوگی تو گھر کے گوشوں میں
تیرے معصوم مسکراہٹ کی
نرم سی دھوپ پھیل جائے گی

اردو کے خالص اصناف سخن:

گیت، ریختی اور مرثیہ

نوٹ: مرثیہ اردو سے پہلے بھی موجود تھا مگر اسے صنف کا درجہ اردو نے دیا لہٰذا یہ اردو کی اپنی صنف شمار کی جاتی ہے۔

گیت وزن، بحر کے قصیدے سے آزاد جب کہ گانے میں لازمی ہے۔ میں کچھ گیت غزل کی طرح ہم قافیہ اور ہم ردیف بھی ہو سکتے ہیں،

گانا اور گیت میں فرق:

بنیادی فرق صنف کا ہے۔ گیت ایک باقاعدہ صنف شاعری ہے جب کہ گانا صنف نہیں ہے۔ گانا موسیقی کی ایک شکل ہے جس میں آواز نشاط آور ہوتی ہے یا گیت، سُر اور راگ کو گانا کہا جاتا ہے۔

گیت: ہندی کا صنف شاعری ہے جس میں محبوب یا عاشق یعنی ایک عورت اپنے محبوب سے گلے شکوے اور ہجر فراق کی باتیں کرتی ہے۔ یہ گانے کی ایک قسم بھی ہو سکتی ہے۔ عام اصطلاح میں گیت موسیقی کی ایک قسم ہے۔ مختصر گیت مزاجاً نسوانیت کے غنائی اظہار کی ایک صورت ہے۔ بنیادی وصف نغمگی ہے۔

گیت کی اقسام:

عوامی گیت: روایتی گیت اور آہنگ جو عام لوگوں میں مروج ہوتے ہیں، جن میں مصنفین کا نام عموماً نہیں ملتا۔

لوک گیت: عوامی ادب کی وہ مشہور صنف سخن ہے جو انسانی پیدائش سے ظہور میں آتی ہے۔ اس کی جغرافیائی حد بندیاں تو ضرور ہیں مگر اس کے باوجود یہ وہ قیمتی سرمایہ ہے جو ضبط تحریر میں نہیں لایا جاتا۔ یہ عوام کی داخلی جذبات کا فکری اظہار ہے۔ یا وہ گیت جو سینہ بہ سینہ، نسل در نسل ہمیں منتقل ہو جاتی ہے لوک گیت کہا جاتا ہے۔ دیگر اقسام میں لطف گیت، کلاسیکی گیت اور پاپ گیت شامل ہے۔

ہجو اور ہزل میں فرق:

ہجو: ایسا کلام یا ایسی نظم جس میں کسی کی مخالفت میں اس پر طنز کیا جائے یا اس کا مذاق اڑایا جائے۔ ہجو کہلاتا ہے۔ میر اور سودا کی ہجویات اردو ادب میں مشہور ہیں۔

ہزل: کسی نظم و کلام میں فحش گوئی کرنا ہزل کہلاتا ہے۔ ہزلیہ شاعری میں شاعر کا لاشعور سامنے آ جاتا ہے اور شعور کہیں پیچھے رہ جاتا ہے۔ اصل میں ہزل خاندان مطائبات سے متعلق صنف شاعری ہے۔

ادب اور جمالیات کا رشتہ:

ادب زندگی کا ترجمان ہے اور جمالیات کا تعلق انسان اور اس کے سماج سے ہے۔ انسان کے حواس سے ہے۔ اس کے شعور اور لاشعور سے ہے۔ وہ عمر بھر حسن کی تلاش میں رہتا ہے اس لیے ادب اور جمالیات ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، یعنی ادب بنیادی طور پر جمالیات ہی ہے۔ دونوں کا تعلق انسانی زندگی سماج اور معاشرے سے ہے۔

میر تقی میر کا رنگین کے بارے میں تاریخی جملہ:

رنگین، میر کے شاگرد بننا چاہتے تھے۔ میر نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ "تم امیر زادے ہو شاعری کے لیے جگر سوزی لازمی ہے جو آپ کے پاس نہیں"

دلی کا "روڑا":

پشتوں سے دلی میں رہنا، دلی کے انقلاب اور فسادات سہہ کر سب اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔ دلی کے روزمرہ، بامحاورہ اور ٹکسالی زبان کا ماہر ہونا اور دلی تہذیب اور روایات کے علمبردار ہونے کی وجہ سے میر حسن نے خود کو دلی "روڑا" کہا ہے۔ یعنی دلی کی مستند زبان اور بولی سے اپنی زبان کے مقابلے تناظر میں خود کو دلی کا "روڑا" کہا ہے جو ایک دلی کے باشندے "روڑا" کی خوبی ہے۔ "روڑا، اروڑا" کا مخفف ہے۔ اقامت پذیر اور سکونت پذیر کہا جاتا ہے۔

ٹکسالی زبان:

ٹکسالی زبان سے مراد دلی کا بامحاورہ، مستند اور فصیح زبان ہے!

اردو ادب "سکہ" سے مراد:

جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا تو اسے موقع پر ایک شعر کہا جاتا تھا۔ جس کی دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے تھے اور اس شعر میں بادشاہ کا نام یا لقب نظم کیا جاتا تھا۔

سادگی اور سلاست میں فرق:

جب کسی عبارت یا کلام میں سادہ الفاظ کے ساتھ خیال بھی سادہ ہو۔ الفاظ، محاورہ اور روزمرہ کے مطابق بول چال کے قریب ہوں "سادگی" کہلاتی ہے۔ اور جب کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہو یعنی کلام میں نامانوس اور مشکل الفاظ نہ لانا "سلاست" کہلاتا ہے۔

مسالمہ سے مراد:

ایسا مشاعرہ جس میں شعرا صرف سلام پڑھتے ہیں مسالمہ کہلاتا ہے۔محافل مسالمہ دبستانِ لکھنؤ سے یادگار ہے۔

شاہ بیت اور بیت الغزل میں فرق:

کسی غزل کی بہترین شعر کو بیت الغزل کہا جاتا ہے۔جب کہ غزل کے علاوہ قصیدہ، نعت، حمد وغیرہ کے بہترین شعر کو شاہ بیت کہا جاتا ہے۔

شعریت سے مراد:

کلام منظوم کی وہ خصوصیت جو اسے شعر کا درجہ دیتی ہے شعریت کہلاتی ہے۔

دوہا اور شلوک میں فرق:

دونوں میں دو مصرعے یعنی ایک شعر ہوتا ہے۔دوہا میں غزل کی طرح ہر شعر میں الگ خیال یا موضوع ہوتا ہے جب کہ شلوک میں کسی بادشاہ کی درویشی، فقیری، تصوف، اخلاق یا عام لوگوں کے صرف اخلاق اور تصوف پر مبنی موضوعات باندھے جاتے ہیں۔

اردو کے ضرب الامثال کے لیے مشہور قدیم صنف شاعری:

دوہا۔

لفظ "دیومالا" کے مترادف الفاظ:

علم الاصنام، صنمیات وغیرہ۔

ضلع جگت اور پھبتی میں فرق:

ضلع جگت: پہلو دار بات جس میں رعایت لفظی ہو۔دراصل یہ طنز و مزاح کی ایک قسم ہے۔

پھبتی: مزاحیہ یا طنزیہ لفظ یا فقرہ جو بہ طور تشبیہ کسی پر ٹھیک ٹھیک چسپاں ہو جائے پھبتی کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ ہندی سے اردو میں اصل صورت، مفہوم کے ساتھ داخل ہوا۔بطور اسم مستعمل ہے۔اور سب سے پہلے ۱۸۱۸ء کو کلیات انشا میں تحریراً مستعمل ملتا ہے۔

لفظ "پھبتی" کے حوالے سے شعر:

اس زلف پہ پھبتی شب اویجور کی سوجھی
اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

اس شعر میں پہلا مصرع جرات کا دوسرا انشا اللہ خان انشا کا ہے۔

اقبال کے فارسی دان شاعر دوست کا نام:

مولانا قادر گرامی۔

مولانا حالی کی پسندیدہ صنف شاعری:

مثنوی۔

شاہنامہ اسلام کی ہیئت:

مثنوی ہیئت میں ہے۔

زبان کے حوالے سے اقبال کا قول:

"زبان کو میں ایک بت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے"

اقبال کا زبان کے لیے لفظ "بت" کا استعمال:

اقبالؔ نے زبان کے لیے "بت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں عقیدہ، نظریہ، تصور اور شے وغیرہ۔

تبصرہ، تقریظ اور تجزیہ میں فرق:

تبصرہ: کسی کتاب یا رسالے وغیرہ کو پڑھ کر اس کی خوبی یا خامی کے بارے میں رائے دینا، یا کسی کتاب کا تعارف کرنا تبصرہ کہلاتا ہے۔

تقریظ: مصنف اور ان کی کتاب یا مضمون پر اپنی رائے اظہار کرنا، تعریف کرنا، سراہنا یا کسی مصنف یا کتاب پر خیالی انداز میں اس کی تعریف و تحسین کرنا تقریظ کہلاتا ہے۔

تجزیہ: کسی کتاب کو ٹکڑے کرنا، تقسیم کرنا یا اجزا الگ کرنا تجزیہ کہلاتا ہے۔

ادبی اصطلاح میں میں تجزیہ سے مراد ہے کسی کتاب کو مختلف زاویوں سے دیکھنا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا۔

نثری غزل:

* انشائیہ کو نثری غزل کہا جاتا ہے۔

۱۱۱ صفحوں پر مشتمل افسانوی مجموعے کا خالق:

سامرسٹ ماہم۔

غالب کے فارسی دواوین کے نام:

گل رعنا، مے خانہ آرزو

نوطرز مرصع میں "مرصع" کا پس منظر:

محمد حسین عطا تحسین بہترین خوش نویس تھے۔ خوش نویسی کی وجہ سے "مرصع" محمد حسین تحسین کا لقب بن گیا تھا۔ اس لیے اس کہانی کو نوطرز مرصع کے نام سے لکھا۔

تقلید اور اتباع میں فرق:

ادبی اصطلاح میں اپنی انفرادیت اور امتیاز رکھے بغیر کسی بڑے فن کار کی پیروی کرنا تقلید کہلاتا ہے۔ جب کہ اپنی انفرادیت اور امتیاز کے ساتھ ساتھ کسی بڑے فن کار کی پیروی کرنا اتباع کہلاتا ہے۔

نوٹ: کوئی بڑا فن کار نہ کسی کا مکمل اتباع کرتا ہے نہ تقلید۔

"اوپیرا"

وہ منظوم ڈراما جس کے مکالمے بھی منظوم ہوتے ہیں اور مکالمے گائے بھی جاتے ہیں یعنی اس کے تمام اجزا غنائیہ ہوں۔ اس کو اردو میں غنائی تمثیل کہا جاتا ہے۔

اردو ادب میں انارکی یا انارکسٹ کے لیے الطاف فاطمہ کی اصطلاح:

اردو ادب میں انارکی یا انارکسٹ کے لیے نراجیت یا نراجیت پسندی کی اصطلاح سب سے پہلے الطاف فاطمہ نے وضع کی۔

اردو شاعری میں "سورج" کا لفظ کا زیادہ استعمال:

اعجاز فاروقی نے اردو شاعری میں سورج کا لفظ زیادہ استعمال کیا ہے۔

برصغیر میں فارسی "ماہیا" کا شاعر اول:

بشیر حسن ناظم

دلی کا تاج:

[illegible] کو دلی کا تاج کہا جاتا ہے۔

قصیدے کا نقاش اول اور زبان کا حاکم:

مصحفی نے سودا کو قصیدے کا نقاش اول اور زبان کا حاکم کہا ہے۔

سلیم اختر اور چٹکلا باز شاعر:
سلیم اختر نے چٹکلا باز شاعر "نظیر اکبر آبادی" کو کہا ہے۔

اردو کا حافظ شیراز:
تصوف اور اختصار کی وجہ سے خواجہ میر درد کو اردو کا حافظ شیرازی کہا جاتا ہے۔

غم دوراں کا شاعر:
فیض احمد فیض کو کہا جاتا ہے۔

سادیت سے مراد:
اسے "مجروری" بھی کہا جاتا ہے۔ جنسی آسودگی کے خاطر اپنے آپ کو تکلیف دینا، ایذا پرستی اور جنسی تمایات وغیرہ۔

تخیل اور تفکر میں فرق:
تفکر میں نفس، افکار کے باہمی روابط پر غور کرتا ہے کہ یہ روابط کیوں پیدا ہوئے جب کہ تخیل میں نفس افکار کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور ان افکار سے نئے افکار پیدا ہوتے ہیں۔

"تلامیذ الرحمان" عربی کا مقولہ ہے۔ مطلب:
شاعر خدا کے شاگرد ہیں۔ اس سے شعرا مراد لیے جاتے ہیں۔

وصف الحال اور تمثال (امیج) میں فرق:
وصف الحال: اس شے کی تصویر کو روشن کرتا ہے۔ جو دکھائی دیتی ہو یعنی مجسم شے کی تصویر کو آنکھوں کے سامنے لا روشن کرنا۔
تمثال یا امیج: مجرد کیفیات کو اس طرح بیان اور پیش کرنا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک چلتی ہوئی تصویر دکھائی دے یا اصل شے کی تصویر کے ساتھ تخیل کے ذریعے ایک تصویر بنانا۔

جذبہ، جذباتیت اور ہیجان میں فرق:
جذبہ (Sentiment): انسان کے دل میں کسی چیز کے دیکھنے، سننے یا کسی واقعے کے پیش آنے سے جو غم، خوشی اور جوش کی جو حالت پیدا ہوتی ہے۔ اسے جذبہ کہا جاتا ہے۔
جذباتیت: اس کا تعلق بھی جذبہ سے ہے لیکن جذباتیت اس وقار اور عظمت سے عاری ہوتا ہے۔ جو جذبہ کی خصوصیت ہے۔ یہ ادب کی عظمت اور وقار کے منافی ہے۔

جذبات (Emotion): جذبے کا احساساتی پہلو ہے۔ حیرت، خوف، شہوت، غصہ
[illegible] ترقی یافتہ ذہنوں میں ہوتے ہیں جب کہ حیوانات، نباتات کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔

نوٹ: [illegible] مستقل کیفیت ہے جیسے حب الوطنی، دیانتداری وغیرہ اور ہیجان عارضی کیفیت ہے جیسے
غصہ، شہوت جو کچھ دیر بعد ختم ہو جاتا ہے۔

جلال اور جمال میں فرق:

جمال: جمال صرف حسن کے لوازمات تک محدود ہے۔

جلال: جلال جمال کی ایک قسم ہے جس میں حسن کے ساتھ ایک قسم کی ہیبت، دبدبہ اور خوف کا عنصر
بھی شامل ہوتا ہے جیسے ہمالیہ کی بلندیاں، آفتاب وغیرہ۔

اردو ادب میں "قصیدہ" سے مراد:
وہ نظم جو تعریف میں لکھی جائے۔ اسے "قصیدہ" کہا جاتا ہے۔

اردو ادب میں عبوری دور سے مراد:
جب کسی دو نمایاں ادوار کے درمیان ایک ایسا دور جب پہلا دور اپنا وقار اور افادیت کھو چکی ہو
اور دوسرے دور کی قدریں ابھی ذہن و قلوب میں جڑ نہ پکڑ سکی ہوں "عبوری دور" کہلاتا ہے۔

اردو ادب میں "عریانی" اور "فحاشی" میں فرق:
کلام میں کسی بلند مقصد کے لیے جنسی معاملات کا اظہار کرنا "عریانی" کہتے ہیں۔ جب کہ کلام میں جنسی
[illegible] صرف حظ اندوزی کے لیے ہوں اور اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد نہ ہو تو اسے "فحاشی"
کہتے ہیں۔

نوٹ: دونوں میں بنیادی فرق کسی بلند مقصد کا ہوتا ہے۔

ناول، ناولٹ یا طویل افسانے میں فرق

ناول: وہ کہانی جس میں ہمارے معاشرے کے کئی پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہو۔ دو خصوصیات
[illegible] لازم اور ناگزیر قرار دیا جاتا ہے۔ ایک پلاٹ اور دوسرا کردار نگاری۔ تخیل کی اہمیت بھی
[illegible]

ناولٹ یا طویل افسانہ: مختصر یا چھوٹا ناول، معتدل طوالت پر مبنی ناول۔ اصطلاح میں ایسی تحریر جو ناول
[illegible] سے چھوٹی [illegible] سے بڑی ہوتی ہے۔ اسے چھوٹا ناول یا طویل افسانہ کہا جاتا ہے۔ مغربی

...تفاق ہیں کہ ناول اور طویل کہانی کے بیچ جو افسانوی ادب لکھا جاتا ہے۔ اسے ہی ناولٹ کہا جاتا ہے۔ ''اے ہینڈ بک ٹو لٹریچر'' کے مطابق مختصر افسانہ میں آٹھ دس ہزار الفاظ، ناولٹ میں تیس، چالیس ہزار الفاظ، ناول میں چالیس ہزار سے لیکر دو یا تین لاکھ الفاظ ہو سکتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد اور شاہد احمد دہلوی کا رشتہ:

دونوں کے درمیان دادا پوتے کا رشتہ ہے۔ مولوی بشیر الدین ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا بیٹا ہے اور شاہد احمد دہلوی بشیر الدین کا۔

اردو ادب میں ''بے طرح وابستگی'' سے مراد:

اردو ادب میں اس مراد جنسی میلان یا جنسی خواہش ہے۔

اردو ادب میں مریضانہ محبت سے مراد:

اردو ادب میں اس مراد جنسی محبت یا بیمار عشق ہے۔

اردو ادب میں المیہ کی اقسام:

انتقامی المیہ: وہ المیہ جس کی بنیاد جذبہ انتقام پر مبنی ہو۔

خونی المیہ: وہ المیہ جس میں جذبہ انتقام کی آگ میں کسی کو اذیت دے کر قتل کرنے، گلا گھونٹنے، ناک کان اور ہاتھ کے مسخ کرنے کو بھی جائز قرار دیا جاتا ہے۔ عہد الیزبتھ کے انگلستانی اسٹیج پر اسے مقبولیت حاصل ہوئی۔

سینکائی المیہ: وہ المیہ جس میں دہشت انگیز واقعات اور سکہ بند کردار ہوں۔ واقعات کرداروں کے عمل کے بجائے بیانیہ رپورٹوں کی شکل میں قاصدوں وغیرہ کے ذریعے پیش کیا گیا ہوں۔ یونانی دیو مالا سے قتل، خون کے واقعات سے سنسنی خیزی پیدا کی گئی ہو۔ ان واقعات کے پیچھے انتقام حکایت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

افسانچہ، مختصر افسانہ اور طویل مختصر افسانہ اور ناولٹ میں فرق:

افسانچہ: افسانچہ انسانی تجربے کو نثری صورت میں کم سے کم لفظوں میں بیان کرنا افسانچہ کہلاتا ہے۔ یہ مختصر ترین افسانہ جو دو تین صفحات پر مشتمل ہو۔ اردو ادب میں یہ صرف انگریز ادب کے تتبع سے متعارف ہوئی ... شعوری رو اور آزادی فکری تلازمے کی عمل داری ہوتی ہے۔ شاعری میں مختصر نظم اور نثر میں افسانچہ ایک ... ہیں۔

مختصر افسانہ: ''ایسا افسانہ جو ایک ہی نشست میں پڑھا جا سکے اور اس افسانے میں پلاٹ، کردار، عمل

اور چونکا دینے والے انداز کی تمام خوبیاں موجود ہوں تو اپنے اختصار کی وجہ سے ایسے افسانے کو "مختصر افسانہ" کہا جا
ہے۔ "اے ہینڈ بک ٹو لٹریچر" کے مطابق مختصر افسانہ بالعموم چھ آٹھ یا دس ہزار الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔

طویل مختصر افسانہ: طویل مختصر افسانہ دور جدید کی الگ ادبی صنف ہے۔ مختصر افسانہ اور ناولٹ دونوں ایک ہی نوع کی نثری اصناف ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسری صنف کے جنم لیا جس کو طویل مختصر افسانہ کہا گیا۔ یعنی دورانیے کے اعتبار سے یہ مختصر افسانے سے بڑا اور ناولٹ سے چھوٹا ہوتا ہے۔

ناولٹ: (اس موضوع پر پہلے وضاحت ہو چکی ہے)

تکلف، تصنع اور بناوٹ میں فرق:

تکلف، تصنع اور بناوٹ مترادفات ہیں۔ شعر و ادب میں اظہار و بیان کے فنی اور ادبی تقاضوں کے علاوہ یا ان تقاضوں کو پورا کرنے کے ضمن میں بلا جواز کسی قسم کی مشکل پسندی روا رکھنا تنقیدی اصطلاح میں "تکلف، تصنع یا بناوٹ" کہلاتا ہے۔

اردو شاعری میں "شکوہ الفاظ" کے لیے متقاضی صنف:

اردو شاعری میں "شکوہ الفاظ" کے لیے متقاضی صنف "قصیدہ" ہے۔

رجعت پسندی سے مراد:

رجعت پسندی: رجعت پسندی سے مراد ماضی پرستی ہے۔ ماضی کی طرف لوٹ کر حال کے صورت حال کو زیر بحث لانا "رجعت پسندی" ہے۔ جو روایتی ادیبوں کا خاصہ ہے۔

اردو ادب میں قول محال سے مراد:

طنز و مزاح کا ایک حربہ ہے۔ ایسی بات کہنا جس کے وقوع پذیر ہونے کا امکان نہ ہو مگر فی الواقع وقوع پذیر ہو جائے مثلاً یہ کہنا کہ بچہ پانی سے جل گیا۔ بظاہر بچے کا پانی سے جلنا ممکن نہیں مگر اس کو گرم کرنے سے جلانے کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک مشکل حربہ ہے ہر مزاح نگار اس کا استعمال نہیں کر سکتا۔

روایت اور ادبی روایت میں فرق:

روایت: اپنی پہلی نسل کے فنکاروں، ادیبوں کی آندھی تقلید اور ان کے کامیابیوں کے گن گانا روایات ہے یا انسانی زندگی میں کچھ ایسے طور طریقے کچھ ایسی قدریں جن پر سب لوگ بنیادی طور پر متفق ہوں اور افراد انہیں اپنا آدرش یا آئیڈیل مان لیں یا روایت دراصل ان ادبی اصطلاحات، تلمیحات، استعارات اور تشبیہات پر مبنی ہوتی ہے۔ جو کہ ادب میں عرصہ دراز سے استعمال ہو رہی ہوتی ہیں اور جن سے قارئین ادب واقف ہوتے ہیں۔

ادبی روایت: ادبی روایت یا روایات دراصل ان اصطلاحات، ذوق سلیم، علائم و رموز اور اعتقاد کے متعلق تصورات، افکار اور مطالب کے درمیان ان تفہیمات پر مشتمل ہوتی ہے جن کے معانی واضح ہوتے ہیں اور جن کے استعمال کی سند نہیں مانگی جاتی ہے۔ مختصراً ادب میں روایات الہام و تفہیم کا وہ باہمی علاقہ ہے۔ جس کے باعث شاعر اور اس کے قاری ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ روایات کی تشکیل اور تعین کے لیے وقت کا ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔

کلاسیکیت اور رومانیت میں فرق:

روایت پرستی، قدامت پرستی، عقلیت، تنظیم، اصول پسندی اور اعتدال کلاسیکیت کے نمایاں خدوخال ہیں۔ کلاسیکیت اور رومانیت دراصل دو ایسے ادبی رجحانات ہیں جو ادبیات عالم میں جاری رہے ہیں۔ کبھی ایک رجحان کا غلبہ رہا ہے کبھی دوسرے کا اور اگر رومانیت کے ادبی رجحان کا غلبہ حاصل ہوا تو اس دور کو رومانوی دور کہا گیا ڈاکٹر احسن فاروق کے بقول " کلاسیکی اور رومانوی کا بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر پابندی کا نام ہے اور موخر الذکر آزادی کا"

نوٹ: رومانیت کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

"یادیں" شعر کا موضوع، اس حوالے سے معتبر شعرا:

"یادیں" شاعری کے لیے کوئی بڑا موضوع نہیں بن سکتیں جب تک اس میں احساس کا رنگ شامل نہ ہو جائے یعنی صرف وہی یادیں فن شعر کا موضوع بن سکتی ہیں جو سوچ کے انداز کو تبدیل کر سکیں اور زندگی کے شب و روز میں تغیر لا سکیں اور اپنی سوچ اور زندگی کے انداز کو وہی شخص تبدیل کر سکتا ہے جس کے پاس قوت احساس ہو اس حوالے سے معتبر شعرا میں میر تقی میر اور ناصر کاظمی اہم نام ہیں۔

دیوان غالب کا سب سے کثیر الجہتی شعر:

- نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن ہر پیکر تصویر کا

دیوان غالب کا پہلا شعر:

- نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن پیکر تصویر کا

دیوان غالب کا سب سے آخری شعر:

جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں اک مشت خاک ہے

کلیات اقبال کی پہلی نظم:

کلیات اقبال کی نظم کا نام "ہمالہ" ہے۔

"بانگ درا" کا مقدمہ:

"بانگ درا" کا مقدمہ شیخ عبدالقادر نے لکھا۔

اقبال کی نظم "شکوہ" کا پہلا شعر:

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں

اقبال کی نظم "شکوہ" کا آخری شعر:

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

اقبال کی نظم "جواب شکوہ" کا پہلا شعر:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اقبال کی نظم "جواب شکوہ" کا آخری شعر:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

اردو شاعری میں غالب کا لازوال شعر:

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن ہر پیکر تصویر کا

غالب کا ایک ایسا شعر ہے، جو طربیہ اور المیہ پہلو کا حامل شعر:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

ادیب یا شاعر اور فلسفی میں فرق:

فلسفی دنیا تعبیر کرتا ہے اور ادیب یا شاعر اسے بدلتا ہے۔ اصل کام دنیا کی تعبیر نہیں اس کا بدلنا ہے جو شاعر ادیب کرتا ہے۔

طرز گفتار شیوائی بیانی سے مراد:

"طرز گفتار شیوائی بیانی" کے لیے چار اوصاف لازمی ہیں۔ سخن عشق، عشق سخن، کلام حسن، حسن کلام۔ مرزا غالب نے طرز بیدل کو "شیوا بیانی" کہا ہے۔ یعنی بیدل کے کلام میں یہ چار اوصاف موجود ہیں۔

میراجی کے جنازے میں شامل لوگ:

میراجی کے جنازے میں ۵ لوگ شامل تھے۔ اختر الایمان، مدھون سودن، مہندر ناتھ، نجم نقوی، آنند بھوشن۔

محمد حسن عسکری کا میراجی اور میرا سین کے عشق کے بارے میں مشہور رائے:

"کہ جب میراجی کے دوستوں نے انہیں افسانہ بنانا چاہا تو بے تامل بن گئے اور اس کے بعد ان کی زندگی اس افسانے کو نبھاتے گزری"

میراجی کا اردو ادب اور شاعری میں حصہ:

میراجی ۳۷ برس میں ایک سند کے برابر کام چھوڑ گئے۔ ۲۲۳ نظمیں، ۱۳۶ گیت، ۱۷ غزلیں، ۲۳ مختلف زبانوں کے شعرا کے تراجم پر مبنی ۲۲۵ نظمیں اور متفرق چیزیں۔

اردو شاعری کے ارکان اربعہ:

اردو شاعری کے ارکان اربعہ میں میراجی، راشد، مجید امجد اور فیض شامل ہے۔

اردو ادب میں "اقلیمی" شعرا سے مراد:

وہ شاعر جو شاعری بنانا پسند کرتے ہوئے شاعری ہی ان کے لیے سب کچھ اور ان کی محبت ہو اور وہ کائنات، حیات اور شاعری کی دنیا میں بنا لے۔ جیسے فانی وغیرہ۔

جدید اردو غزل کے چار ستون یا عناصر اربعہ:

فانی، حسرت، اصغر اور جگر (بہ حوالہ اظہری احمد صدیقی اور قاضی عبدالغفار)

قدیم سنسکرت اردو ڈرامے کے عناصر ثلاثہ:

(۱) اہل ہنود کے خالص مذہبی ناٹک یا مریکل پلے (۲) سوانگ، نوٹنکی اور نقلیں وغیرہ۔ (۳) اسلامی و قدیم روایات (۴) موجودہ زمانہ کا انگریزی ڈراما۔ (بہ حوالہ عبداللہ یوسف)

مریکل پلے سے مراد:

یہ ایک قسم خالص مذہبی ناٹک ہے۔ وہ ناٹک جو دیوتاؤں اور دیوں کے حالات پر مبنی ہو۔

ع گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے (کا پس منظر):

اس شعر کا پس منظر یہ ہے کہ احمد فراز، خاطر غزنوی اور محسن احسان اچھے خاصے دوست تھے۔ وہ مری جا رہے تھے۔ جب اسلام آباد پہنچے تو فراز صاحب اپنے کسی محبوب سے ملنے گئے اور محسن احسان کو بھی ساتھ لے گئے اور خاطر کو اکیلا چھوڑ کر تھوڑے وقت میں آنے کا کہا اور یوں پورے تین گھنٹے بعد دونوں واپس آ گئے۔ جس کی وجہ سے خاطر کو سخت غصہ آیا، ناراضی کا اظہار کیا اور مذکورہ شعر کہہ دیا۔ (بہ حوالہ خاطر غزنوی، ڈاکٹر اسحاق وردگ)

علامہ اقبال نے اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے وضع کردہ اصطلاحات:

(۱) مذہبی اصطلاحات (۲) سیاسی اصطلاحات (۳) فلسفیانہ اصطلاحات۔

اقبال اور راشد میں مماثلت:

دونوں نظم کے رجحان ساز شعرا ہیں۔ دونوں میں کئی مماثلتیں ہیں جیسے فارسی اسلوب، تصور، کرداری تخلیص، نوآبادیاتی پس منظر، دشمن سامراج، بغاوت وغیرہ۔

قنوطیت یا یاسیت:

قنوطیت یا یاسیت ایک ایسے رجحان یا رویے کو کہا جاتا ہے کہ جس میں وہ شخصیت زندگی کے کسی بھی انفرادی یا اجتماعی پہلو کے بارے میں سوداویت پسند خیالات رکھتے ہو۔ بہ الفاظ دیگر قنوطیت ایک قسم کے مایوس، یاس پسند، ناامید اور منفی سوچ کے حامل رویے کو کہا جاتا ہے۔

جدیدیت اور مابعد جدیدیت:

جدت، ندرت، معاصر، تجدد اور تجدید جیسے الفاظ کے مفاہیم اور معانی جدیدیت کی تعریف کا حصہ ہیں یعنی جدید زمانے کی خصوصیات کے حامل افکار، معائیر، اصول، خیالات اور ان کے مطابق عمل جدیدیت یا جدت

پسندی کہلائے گا۔

یا جدیدیت عقلی، علمی اور منطقی طور پر دنیا کو رجائیت اور ایقان کے ساتھ خوش انجامی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھنے اور اس کے لیے تگ و دو کا نام ہے۔

مابعد جدیدیت:

مابعد جدیدیت، حقیقت پسندی اور انسان دوستی کے خلاف ایک منظم تحریک ہے۔ جس کا مقصد (Logocenric) اظہار پر مبنی مباحث کی بیخ کنی ہے۔ یہ تحریک سماجی و فکری علوم کے ارتقا کے ساتھ انسانی تاریخ کی ارتقائی سفر سے یکسر انکار کرتی ہے۔ یعنی مابعد جدیدیت ایک نئی صورت حال، نئی ثقافت، مختلف بصیرتوں اور ذہنی رویوں کا نام ہے۔ یہ کسی ایک ضابطہ بند نظریے کا نام نہیں بلکہ مابعد جدیدیت کی اصطلاح احاطہ کرتی ہے مختصر یہ کہ جدیدیت کے بعد کے دور کو مابعد جدیدیت کہا جاتا ہے۔ لیکن اس میں جدیدیت سے انحراف بھی شامل ہے جوادبی بھی ہے اور آئیڈیولوجیکل بھی ہے۔

nostalgia

ناسٹلجیا سے مراد:

ماضی کی باتوں کو یاد کرنا، ماضی میں زندہ رہنا اور ماضی کو حال سے بہتر سمجھنا "ناسٹلجیا" کہلاتا ہے۔ انتظار حسین کے افسانوں میں اس قسم کی صورت حال زیادہ نظر آتی ہے۔

ادب کیا ہے:

ادب ایک ایسا فن ہے جس میں انسانی جذبات و احساسات اور تجربات کو موثر اور تحریری شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ یا

وہ تحریریں جو انسانی افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کا ترجمانی کریں۔

ادب کی شاخیں:

ادب کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ نثر اور شاعری۔

ہم ادب کیوں پڑھتے ہیں:

ادب تنقید حیات ہے، ادب تفسیر حیات ہے۔ اس لیے ہم ادب پڑھ کر اچھے اور برے میں تمیز کر سکتے ہیں۔

غزل اور قصیدے میں مماثلت:

قصیدے کا پہلا شعر بالکل غزل کی طرح ہوتا ہے۔ یعنی دونوں میں مطلع ہوتا ہے۔ جس طرح غزل کے

اشعار کی تعداد پر کوئی قید نہیں بالکل اسی طرح قصیدے کے اشعار کی تعداد پر کوئی قید نہیں۔ غزل کی طرح قصیدے بھی ایک ہی بحر میں لکھا جاتا ہے۔

پیرایہ اور اسلوب میں فرق:

اسلوب ایک مستقل اور ارادی نوعیت کا عمل ہوتا ہے جو فن میں تواتر کے ساتھ جھلکتا ہے جب کہ پیرایہ فوری اور اتفاقیہ اظہار ہے جو فن کار کے موضوع کا طبع خاص ہوتا ہے۔

ادیب کی ادب کی تخلیق کی ضرورت:

جب کوئی زبان اپنی رتقا کی تاریخ میں اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں ادیب اپنے جذبات واحساسات ،تجربات ومشاہدات کے بیان اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کی سہولت محسوس کرتا ہے تو ادیب کو ادب تخلیق کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

تحریک علی گڑھ کا نقطۂ آغاز:

تحریک علی گڑھ کا نقطۂ آغاز سائنٹفک سوسائٹی کا قیام گردانہ جاتا ہے۔

محاورہ اور روزمرہ میں فرق:

جب دو یا دو سے زیادہ الفاظ حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں تو اسے محاورہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً: ناک میں دم کر دینا، آسمان سر پر چڑھانا، نو دو گیارہ ہونا وغیرہ۔

جب دو یا دو سے زیادہ الفاظ جو حقیقی معنوں میں استعمال ہوں تو اسے روزمرہ کہا جاتا ہے ۔مثلاً: آئے دن، روز بہ روز اور پانچ سات وغیرہ۔

غالب کے خطوط کا مجموعہ "عود ہندی" کے حوالے سے شعر:

بہ رنگ عود ملے گی اسے مری خوشبو
وہ جب بھی چاہے بڑے شوق سے جلائے مجھے

منٹو کا افسانوی مجموعہ "ٹھنڈا گوشت" کا دیباچہ:

منٹو نے اپنے افسانوی مجموعہ "ٹھنڈا گوشت" کا دیباچہ "زحمت مہر درخشاں" کے نام سے لکھا۔ اور یہ نام انہوں نے غالب کے اس شعر سے لیا۔

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر

"عود ہندی" کے حصے:

عود ہندی کے دو حصے ہیں۔ مہر غالب اور عود ہندی

ترقی پسند مصنفین اور تحریک کا ترجمان رسالہ:

ماہنامہ شاہراہ دہلی

خواجہ حسن نظامی کی تصنیف "بیگمات کے آنسو" کا موضوع:

اس کتاب کا موضوع غدر کے حالات اور خواتین کے مسائل ہیں۔ اس میں کل ۲۶ افسانے ہیں۔ یہ کتاب "دہلی کے افسانے" کے نام سے بھی شائع ہوا ہے۔

اصغر سودائی کے بارے میں قائد اعظمؒ کی رائے:

قائد اعظمؒ نے اصغر سودائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ "تحریک پاکستان میں ۲۵ فیصد حصہ ان کا ہے"۔

ملا وجہی کے تخلصات:

ملا وجہی نے متعدد تخلصات استعمال کیے ہیں۔ وجیہہ، وجہا اور وجہی وغیرہ۔

قلی قطب شاہ کے تخلصات:

قلی قطب شاہ کے مشہور تخلصات ۷ ہیں۔ محمد، محمد شاہ، محمد قلی، محمد قطب، معانی، قطب معانی اور ترکمان وغیرہ۔

قلی قطب شاہ کا تخلص پر مبنی شعر:

معانی ہے عاجز تری خدمتاں میں
نہیں سد بداس کوں توں کر سب تے آگاہ

ذوق کا خطاب "خاقانی ہند":

ذوق نے ۲۰ سال کی عمر میں ایک قصیدہ لکھا جس میں کل ۱۸ اشعار تھے اور ۱۸ اشعار مختلف زبانوں میں تھے۔ اس وجہ کم عمری میں اکبر شاہ ثانی نے انہیں "خاقانی ہند" کا خطاب دیا۔

مولانا شبلی کے نام کے ساتھ "نعمانی" کا اضافہ:

امام ابو حنیفہ کا اصل نام نعمان بن ثابت تھا۔ امام ابو حنیفہ سے محبت اور اسی نسبت کی وجہ سے مولانا شبلی نے اپنے نام کے ساتھ "نعمانی" کا اضافہ کیا تھا۔

نواب مرزا سلیمان سے مصحفی کا ناراض ہونا:

جواب مصحفی نے نواب مرزا سلیمان سے ناراض ہو کر دربار چھوڑ دی اور ایک سبق آموز شعر کہا۔ وہ شعر یہ ہے۔

جاتا ہوں ترے در سے کہ توقیر نہیں یاں
کچھ اس کے سوا اب کوئی تدبیر نہیں یاں

"ارباب نشاط" سے مراد:

اردو ادب میں پردہ نشین خواتین کا تذکرہ ہوتا رہا ہے۔ پردہ نشین خواتین کے برعکس خواتین کے لیے اردو ادب میں ایک مخصوص اصطلاح اور نام استعمال ہوتا ہے۔ جس کو ارباب نشاط کہا جاتا ہے۔

خاندان تیموریہ کی شہزادی آیادی کی حالت نزع میں شعر:

سر انجام غسل و کفن کر رکھو
تن زار سے جان نکلنے کو ہے

بہادر شاہ ظفر کی غزل پر غزل کہنے والی شاعرہ:

بہادر شاہ ظفر کی غزل پر غزل کہنے والی شاعرہ کا نام "حسینی بیگم امراؤ" تھا۔ انہوں نے بہادر شاہ ظفر کی جس غزل پر غزل کہی تھی۔ اس کا ایک شعر درج ذیل ہے۔

گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری
تو مجھے ساکن ویرانہ بنایا ہوتا

تذکرہ شاعرات لکھنو از ثمینہ فاروقی کے آغاز میں جملہ:

اس کتاب کے آغاز میں یہ جملہ شامل ہے۔ "اپنے بچوں کو صرف نانی نہیں زبان کی چاشنی سے بھی آشنا کرایئے اور اردو پڑھایئے"۔

واجد علی شاہ کی بیوی بیگم حضرت محل کا شعر:

واجد علی شاہ کی بیوی بیگم حضرت محل صاحب سیف اور صاحب قلم تھیں۔ ان کا ایک شعر حسب ذیل ہے:

لکھا ہوگا حضرت محل کی لحد پر
نصیبوں جلی تھی الملک کی ستائی

شاعرہ "چھوٹے صاحب" کا تعارف:

شاعرہ "چھوٹے صاحب" لکھنو کی مشہور طوائف تھیں۔ ریاست الور میں ملازمت اختیار کر لی تھیں۔

غالب اور گوئٹے میں مشترک خصوصیات:

غالب اور گوئٹے کا مقابلہ تین مشترک موضوعات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔(۱) تصوف (۲) فلسفیانہ رموز (۳) ایک دست مصور کا نازک ہاتھ۔

جرمن شاعر ''ہین'' اور غالب میں مشترک خصوصیت:

جرمن شاعر ''ہین'' اور غالب کا مقابلہ جرمن شاعر ''ہین'' سے کیا جاتا ہے اور یہ ان دونوں میں مشترک مضامین حزن و یاس میں غالب کا مشترک خصوصیت ہے۔

غالب اور رابرٹ براوننگ میں مشترک خصوصیت:

غالب اور رابرٹ براوننگ سے غالب کا مقابلہ رابرٹ براوننگ سے کیا جاتا ہے اور یہ ان دونوں کے صوفیانہ کلام کے حوالے سے درمیان مشترک خصوصیت ہے۔

فوائد الناظرین کا تعارف:

''فوائد الناظرین'' ایک پندرہ روزہ اخبار ہے جو سر سید احمد خان کی کشادہ فکری کے برخلاف روشن خیالی کا نقیب تھا۔ اس اخبار کے مدیر کا نام ماسٹر رام چندر تھا۔

منشی نول کشور، سر سید احمد خان اور صحافت:

اردو ادب میں منشی نول کشور اور سر سید احمد خان کے نام کئی حوالوں سے اہم ہیں۔ صحافت اور ادب میں دونوں کے قابل قدر خدمات ہیں۔ منشی نول کشور نے ''اودھ اخبار'' میں صحافت کو تجارتی خطوط پر استوار کیا جب کہ سر سید احمد خان نے صحافت کو قومی اور تہذیبی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ رسالہ سر سید احمد خان ''تہذیب الاخلاق'' اس حوالے سے عمدہ مثال ہے۔

''اودھ پنچ اور دل گداز'' ادبی مجادلہ:

''اودھ پنچ اور دل گداز'' میں مثنوی گلزار نسیم پر ایک ادبی مجادلہ چھڑا تھا جو تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

انگارے کا مختصر تعارف:

یہ مجموعہ ۱۹۳۲ کے آخر میں شائع ہوا۔ یہ جدید افسانہ نگاری کا نقطہ آغاز ہے۔ اس میں کل ۱۹ افسانے اور ایک ڈراما ہے۔ ۵ افسانے سجاد ظہیر ایک افسانہ اور ایک ڈراما رشید جہاں کے ۲ افسانے احمد علی اور ایک افسانہ محمود الظفر شامل ہے۔ ۵ مارچ ۱۹۳۳ میں اسے سرکار نے ضبط کیا۔

محمد حسین آزاد کا آب حیات کے پہلے ایڈیشن میں مومن کو شامل نہ کرنا:

محمد حسین آزاد نے مومن کی اہمیت اور حالات اور علوم و فنون کی عدم دستیابی کی وجہ سے انہیں آب حیات کے پہلے ایڈیشن میں شامل نہیں کیا۔

پریم چند کی ملازمت چھوڑنے کی وجہ:

۱۹۲۱ میں پریم چند عدم تعاون تحریک کی وجہ سے ملازمت سے علیحدہ ہوئے۔

آرٹ سے مراد:

خواہش تخلیق انسان کی فطرت ہے۔ اس جبلی خواہش سے آرٹ پیدا ہوتا ہے پس آرٹ خدا کا دیا ہوا علم ہے۔

آرٹ اور دوسرے علوم میں بنیادی فرق:

آرٹ اور دوسرے علوم میں یہی بنیادی فرق ہے کہ آرٹ میں کوئی مادی نفع یا مقصد نہیں ہوتا۔ اس کا غرض مسرت اور خوشی ہوتی ہے۔ جب کہ دیگر علوم میں مادی نفع یا مقاصد کا عنصر ضرور شامل ہوتا ہے۔

فن لطیف سے مراد:

فن لطیف سے مراد ادب ہے۔ اور ادب آرٹ کی ایک شاخ ہے۔

میتھو ارنلڈ اور ادب کی تعریف:

"وہ تمام علوم جو کتب کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے ادب کہلاتا ہے"۔

غزل برائے غزل سے مراد:

غزل برائے غزل کو تک بندی اور قافیہ پیمائی بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں شاعر عروضی پابندیوں پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور شعریت کے تقاضوں کو توجہ نہیں دیتا۔ یعنی وہ غزل جو عروض پر پورا مگر خیال کی گہرائی اور مقصدیت سے عاری ہو۔ شوکت واسطی آغاز میں "غزل برائے غزل" کے قائل تھے بعد میں مقصدیت کی طرف آئے۔

حزن اور غم فرق:

غم: غم عربی زبان ماخوذ اسم ہے۔ اردو میں اپنے اصل معنی اور بدلی ہوئی ساخت کے ساتھ بہ طور اسم استعمال ہوتا ہے۔ تحریراً سب سے پہلے ۱۰۰۳ کو "نوسرہار" میں مستعمل ملتا ہے۔ اس سے مراد رنج، دکھ اور الم ہے۔ غم کا تعلق اپنی ذات اور ذاتی مقاصد و اغراض سے ہوتا ہے۔ غم میں سوچ اور تفکر کا دخل نہیں ہوتا ہے۔

حزن: غم کی ایک قسم ہے جو اپنے اندر اعلیٰ تفکر اور تخلیقی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ یہ غم ذاتی اغراض و

مقاصد کا پرتو نہیں ہوتا بلکہ اس میں اجتماعی سوچ، غور وفکر اور تفکر کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔

مومن کی مثنویوں کا پرتو:

بقول نواب کلب علی خان، مومن کی مثنویوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "مومن کی فطرت میں عشق رچا ہوا تھا"

خواجہ میر درد کا تعلق اور صوفیانہ گروہ:

درد کا تعلق صوفیوں کے اس گروہ سے تھا جو قول کے ساتھ عمل کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ وہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔

لکھنؤ کا نمائندہ شاعر:

لکھنؤ کا نمائندہ شاعر آتش ہے نہ کہ ناسخ۔

مومن خان مومن کی شاعری کا کینوس:

مومن خان مومن کی شاعری کا کینوس صرف غزل تک محدود رہا۔

علامہ اقبالؒ کی بہترین غزلیں:

علامہ اقبالؒ کی بہترین غزلیں "بال جبریل" میں ہیں۔

عشق کے متعلق غالب کے اشعار:

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

یا

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

علامہ اقبال کا عشق کے حوالے سے شعر:

عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسولؐ عشق خدا کا کلام

مثنوی سحر البیان، پری ماہ رخ اور شہزادے کی عمر:

مثنوی سحر البیان میں پری ماہ رخ جب شہزادے پر عاشق ہو گئی تو اس وقت شہزادے کی عمر بارہ سال تھی۔

غالب کی مثنوی "درصفت انبہ":

غالب کی مثنوی "درصفت انبہ" ایک مشہور مثنوی ہے جو مشہور ہونے کے باوجود مشہور نہ ہوسکی۔ یہ مثنوی آموں کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔

مرزا غالب کی جدت پسندی کے حوالے اشعار:

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

خواجہ میر درد کا وحدت الوجود کے حوالے سے شعر:

آواز نہیں قید میں زنجیر ہے ہر گز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

غالب کی شاعری اور انسانی زندگی:

غالب کی شاعری میں انسانی زندگی کا وسیع مشاہدہ تو نہیں لیکن اس کے بارے میں بعض بلند اور روشن اشارے ضرور ملتے ہیں۔

مرزا غالب کی فارسی تصانیف:

کلیات فارسی، قاطع برہان، دستنبو، مہر نیم روز، سبد چین اور پنج آہنگ وغیرہ۔

ذوق، مومن اور غالب کے مشترکہ دیوان کا نام:

نگارستان سخن

مرزا غالب کی تصنیف "سبد چین" کا موضوع:

قصائد، قطعات اور خطوط

مرزا غالب کی تصنیف "پنج آہنگ" کا موضوع:

انشاء پردازی کے اصول

نظیر اکبر آبادی کے کلام میں بنیادی موضوعات:

(۱) اخلاقی موضوعات (۲) سیاسی موضوعات (۳) اقتصادی موضوعات (۴) طبقاتی موضو

وغیرہ

سحرالبیان ایران اور توران کا قصہ:

سحرالبیان کی کہانی فرضی کہانی ہے۔ مصنف نے اسے ایران اور توران کا قصہ کہہ کر پیش کیا ہے۔

دیوان "دیوان" کا مقدمہ:

یہ شاہ حاتم کا دیوان ہے جو ایہام پر مبنی اشعار سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے مقدمہ میں شاعری پر تنقیدی خیالات ملتے ہیں۔

غزل کے بعد میر کی شہرت کی وجہ:

غزل کے بعد میر کی شہرت کی وجہ ان کی مثنویاں ہیں۔

میر تقی میر کے چند مثنویوں کے نام:

شعلہ عشق، جوش عشق، دریائے عشق، اعجاز عشق، معاملات عشق اور جگر نامہ وغیرہ۔

میر کے چند "شہر آشوب" کے نام:

"در ہجو لشکر" اور "در حال لشکر" یہ شہر آشوب دہلی کی بربادی کے حوالے سے ہیں۔

میر کا کلام سمجھنے کے لیے میر کی رائے:

میر نے اپنے کلام کو سمجھنے کے لیے فرمایا تھا "میرا کلام کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ اس زبان سے واقف نہ ہو جو دلی کے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بولی جاتی ہے"۔

دبستان دہلی میں ریختی کا موجد:

رنگین ریختی کا موجد ہے۔ انشاءاللہ خان انشا نے اس صنف کو بھی خوب فروغ دیا۔

دبستان دہلی کے پانچویں دور کے شعرا کے نام:

مرزا غالب، داغ دہلوی وغیرہ۔

دبستان دہلی کے شعرا کا لکھنؤ منتقلی سے شاعری پر اثر:

دلی کی پاکیزہ شاعری بگڑ گئی۔ اس میں بازاری پن شامل ہوا اور شاعری پر درباری اثرات نمایاں ہو گئے۔

فتنۂ آشوب اور غالب:

مرزا غالب جنگ آزادی کو فتنۂ آشوب کہا کرتے تھے۔

کہانی کا ہیرو اور اردو غزل میں:

کہانی کا ہیرو اردو غزل کا مثالی عاشق ہوتا ہے۔

میر انیس اور اردو مرثیہ:

میر انیس نے مرثیہ کو بیانیہ اور وصفیہ شاعری کا بے مثال شاہ کار بنایا اور اردو میں رزمیہ Epic کی کمی پوری کر کے اردو شاعری کو بین الاقوامی معیار کے مطابق بنا دیا۔ مرثیہ کو وسعت اور تنوع بخشا۔ میر انیس آسمان مرثیہ کا سورج ہے۔

میر انیس کی سب سے اہم خوبی:

میر انیس کی مرثیہ نگاری کی سب سے اہم خوبی واقعہ نگاری ہے۔

دیوان غالب میں کل غزلیں:

(۳۲۸) تین سو اٹھائیس 329

دیوان غالب ایک الہامی کتاب:

دیوان غالب کو عبدالرحمٰن نے الہامی کتاب قرار دیا ہے۔

مرزا غالب کی تصانیف اور موضوعات:

اردو تصانیف: (۱) دیوان غالب (اردو شاعری) (غزلیں وغیرہ) (۲) عود ہندی (اردو خطوط) (۳) اردوئے معلی (اردو خطوط) (۴) مکاتیب غالب (اردو خطوط) (۵) قادر نامہ (چار سو الفاظ اور آٹھ صفحات پر مشتمل بچوں کے لیے ایک مختصر رسالہ۔

فارسی تصانیف: (۱) کلیات (فارسی کلام) (۲) سبد چین (قصائد، قطعات، خطوط) (۳) مثنوی ابر گہر بار (نعت، [illegible]) (۴) پنج آہنگ (انشا پردازی کے اصول) (۵) دستنبو (فارسی کا روزنامہ) (۶) قاطع برہان ([illegible] برہان قاطع کا جواب ہے۔ (۷) درفش کاویانی (برہان قاطع کا دوسرا نام یعنی برہان قاطع بعد میں اسی [illegible] (برہان قاطع میں غلطیاں تھیں مرزا نے اسے دور کیں اور قاطع برہان کے نام سے مرتب کی جو [illegible] اضافہ کر کے "درفش کاویانی" کے نام سے چھپی)۔ (۸) دعائے صباح (حضرت علیؓ سے منسوب [illegible] دعا ہے جو غالب نے فارسی میں منظوم کیا) (۹) مہر نیم روز (تیمور سے ہمایون کے عہد تک [illegible]) (۱۰) [illegible] نثر فارسی (فارسی نثر) (۱۱) متفرقات غالب۔

مثنوی گلزار نسیم کے مرکزی کردار:

مثنوی گلزار نسیم کے مرکزی کرداروں میں تاج الملوک اور گل بکاولی شامل ہیں۔

مرزا غالب کے بھانجے کی فرمائش:

مرزا عباس بیگ جو غالب کا بھانجا تھا کی فرمائش پر دعائے صباح کو فارسی میں منظوم کیا تھا۔

چند مشہور منقبت نگاروں کے نام:

مومن، غالب اور علامہ اقبالؒ وغیرہ

مرزا غالب کا حضرت علیؓ کی شان میں شعر:

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

حضرت علیؓ کی عظمت کے حوالے سے یہ مرزا غالب کی منقبت کا شعر ہے۔

چند مشہور سلام گو شعرا کے نام:

انیس و دبیر کے علاوہ چند سلام گو شعرا کے نام یہ ہیں۔ سودا، میر، درد، مصحفی، رنگین، بہادر شاہ ظفر، غالب، مومن اور داغ وغیرہ۔

پرچہ اول

دکنی دور کا مختصر جائزہ:

مجموعی طور پر بہمنی سلطنت (دکن) (۱۳۴۷ تا ۱۵۲۶ء) میں اردو ادب کے تین اہم نام موجود ہیں۔ فخر الدین نظامی، اشرف بیابانی اور میراں جی شمس العشاق۔ اس دور کے تین بنیادی موضوعات ہیں۔ دلچسپ اور معروف کہانیوں کو نظم کرنا، مذہبی اور تاریخی واقعات اور تیسرا موضوع اخلاق اور تصوف ہے۔ پہلے موضوع کی نمائندگی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' از فخر الدین نظامی کرتی ہے۔ دوسرے موضوع کی نمائندگی ''نوسرہار'' از اشرف بیابانی کرتی ہے۔ جب کہ تیسرے موضوع کے نمائندہ میراں جی شمس العشاق ہیں۔ میراں جی کی مشہور نظموں میں خوش نامہ، خوش نغز، شہادت الحقیقت اور مغز مرغوب شامل ہیں۔

بیجاپور کی عادل شاہی اور گولکنڈہ کے قطب شاہی دور کا تعارف:

دکن میں بہمنی سلطنت کے زوال پر پانچ خودمختار ریاستیں قائم ہوئیں۔ ان میں دو ریاستوں بیجاپور کی عادل شاہی اور گولکنڈہ کے قطب شاہی ریاست نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بیجاپور یعنی عادل شاہی دور دوسو سال پر محیط ہے۔ پہلی صدی میں ادب نے حکومتی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے ترقی نہیں کی۔ جب اس کے برعکس حالات کی وجہ سے دوسری صدی میں اردو ادب نے خوب ترقی کی۔ اس دور کے مشہور شعرا میں شاہ برہان الدین جانم۔ عبدل، ملک خوشنود، رستمی، حسن شوقی، ہاشمی اور نصرتی شامل ہیں۔ مشہور تصانیف اور تخلیقات میں ارشاد نامہ اور وصیت الہادی از جانم، ابراہیم نامہ از عبدل، یوسف زلیخا اور بازار حسن از ملک خوشنود خاور نامہ از رستمی، فتح نامہ نظام شاہ اور میزبانی نامہ از حسن شوقی، اور علی نامہ، گلشن عشق اور سکندر نامہ (تاریخ سکندری) از نصرتی شامل ہیں۔

قطب شاہی دور (گولکنڈہ ۱۵۱۸-۱۶۸۷) کا دور ۱۵۰ سال پر محیط ہے۔ اس کے تین ادوار ہیں۔ پہلے دور کے مشہور شعرا میں ابراہیم قطب شاہ، ملا خیالی اور فیروز بیدری وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے دور کے مشہور شعرا میں قلی قطب شاہ، ملا وجہی، غواصی، ابن نشاطی اور طبعی شامل ہیں۔ تیسرے دور جو اردو نثر کے حوالے سے اہم ہے۔ اس میں تخ امام گیسو دراز، میراں جی اور ملا وجہی جیسے نثر نگار شامل ہیں۔ اس دور کے مشہور تخلیقات میں پرت

نامہ، زیروز بیدری، قطب مشتری اور سب رس از ملا وجہی، سیف الملوک اور بدیع جمال اور طوطی نامہ از غواصی ، پھول بن از ابن نشاطی، بہرام وگل اندام از طبعی، معراج العاشقین از گیسو دراز اور جلترنگ اور گل باس از میراں جی شامل ہیں۔

دبستان کی تعریف، دبستان دہلی اور لکھنو میں فرق:

جب ایک مخصوص دور سے تعلق رکھنے والے شعرا یا نثر نگار اپنے دور کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی رجحانات اور رویوں اور رجحانات کے حوالے سے شاعری یا نثر تخلیق کرے۔ تو دبستان وجود میں آتا ہے۔

دبستان دہلی:

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے ساتھ مغل سلطنت کا زوال شروع ہو گیا اور حالات اتنے خراب ہو گئے کہ اچھے اچھے خاندان نان شبینہ کے لیے ترس گئے۔ بادشاہوں کی حیثیت مجاوروں کی سی ہو گئی تھی۔ دہلی عیش پرستی کا بازار بن گیا۔ دہلی کا سہاگ بار بار لٹا۔ ۱۹۳۹ میں احمد شاہ افشار اور ان کے بعد احمد شاہ ابدالی کے مسلسل حملوں سے ہندوستان خاص کر دہلی میں اٹھل پتھل مچا دی۔ از دہلی تا پا عالم کی کہاوت عام ہو گئی۔ ایسے ماحول میں جو شاعری پروان چڑھی ان کا مختصر جائزہ یہ ہے۔

(۱) داخلیت:

ایک طرف زمانے کے بدتر حالات ہوں اور ساتھ ہی غم جانان بھی ہو۔ تو وہاں داخلیت کا پیدا ہونا عین فطری بات ہے یہ عمومیت اور آفاقیت دبستان دہلی کی مشترکہ خصوصیت ہے۔

؎ سرھانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

ع گل نے یہ سن کر تبسم کیا

ع زندگی ہے یا کوئی طوفان

داخلیت سے مراد ہے کہ شاعر باہر کی دنیا سے غرض نہیں رکھتا بلکہ اپنے دل کی دنیا میں جھانک کر اس کی واردات اور کیفیات کا اظہار کرتا ہے۔ چوں کہ خارجی دنیا میں انتشار اور بدنظمی تھی اس لیے شعرا نے خون دل میں انگلیاں ڈبو کر لکھا۔ زمانے کے حالات سے ان کے دل میں سوز و گداز پیدا ہوا جو داخلیت کا بنیادی عنصر ہے۔

(۲) حزن اور غم:

دبستان دہلی کی بنیادی خصوصیت ہے۔

شعر
سرھانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی تک روتے روتے سوگیا ہے
ع زندگی ہے یا کوئی طوفان

(۳) تصورِ عشق:

دبستان دہلی میں عشق حقیقی بنیادی عنصر ہے جب کہ عشق مجازی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

ع جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
ع آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
ع پاس ناموس عشق تھا ورنہ
ع ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا

(۴) امرد پرستی:

دبستان دہلی کے شعرا کا محبوب دہلی کے بانکے لڑکے تھے یعنی وہاں معشوق مرد تھا اس وجہ سے وہاں امرد پرستی کو فروغ ملا۔

شعر
میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

(۵) فصاحت وسلاست:

ع نازکی ان کے لب کی کیا کہیے
ع میر ان نیم باز آنکھوں میں
ع تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
ع زندگی ہے یا کوئی طوفان

دبستان لکھنو:

جب دہلی پہ قیامت ٹوٹی تو لکھنو میں اس کے مکمل برعکس حالات تھے یعنی دہلی میں آہ اور لکھنو میں واہ جیسے حالات تھے۔

بنیادی خصوصیات یہ ہیں:

(۱) خارجیت:
داخلیت کا الٹ ہے۔ بیرونی دنیا کے احساسات۔

(۲) معاملہ بندی:
ع کچھ اشارہ جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت
ع شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا

(۳) تصور عشق:
عشق مجازی ہے۔ بوالہوسی ہے۔ خیالی پیکروں اور طفلان پری زاد کی بجائے شاعری میں تصور عشق کا محور
گوشت پوست کی عورت ہے۔ عشق صرف چمٹنے لپٹنے تک محدود ہے۔

(۴) ریختی:
ریختی کا وجود دبستان لکھنو کے زوال پذیر عناصر کا مرہون منت ہے۔ اس دور کے مردوں نے سیاسی اعتبار
سے نامردگی کا ثبوت دیا۔ بعض حساس شعرا اپنی جنس ہی سے منحرف ہو گئے اور غیر شعوری طور پر عورتوں کی تقلید
کرنے لگے یہاں تک کہ بادشاہ اور نوابین بھی خواتین کے کپڑے پہن کر ان کے لب و لہجے اور محاورے میں بات
چیت کرتے تھے۔

بیگمات میں جو بڑی ہوں تو بھلا تجھ کو کیا
پہنے پوشاک زری ہوں تو بھلا تجھ کو کیا

(۵) نازک خیالی:
کسی واقعے کو یا حسن کے اظہار کے لیے مبالغہ آمیزی سے کام لینا نازک خیالی ہے جو دبستان لکھنو کی
اہم خصوصیت ہے۔

(۶) رعایت لفظی اور قافیہ پیمائی:
اس دبستان کی اہم خوبیاں ہیں۔

اصناف ادب پر دبستان لکھنو کے اثرات:

غزل: طویل اور طویل ترین غزلیں لکھنے کا ریکارڈ انشا اور مصحفی نے قائم کیا۔ دو غزلہ اور سہ غزلہ
لکھے گئے۔

مثنوی: مثنوی پر اس دبستان نے گہری اثرات مرتب کیے اور گلزار نسیم جیسی مثنوی وجود میں آئی۔

مرثیہ: انیس اور دبیر نے مرثیہ کو عروج پر پہنچایا۔ کیوں کے وہاں کا سرکاری مذہب شیعہ تھا۔

ڈراما: اندر سبھا از امانت لکھنوی۔

واسوخت: نے خوب ترقی کی۔

داستان: فسانہ عجائب وغیرہ

ناول: فسانہ آزاد اور امراؤ جان ادا جیسے ناول وجود میں آئے۔

سید برادران اور دبستان دہلی:

سید برادران دو بھائی جو مغل دور میں فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور نسلاً سید تھے جبکہ ایران ملک سے تعلق تھا۔ ایک بھائی حسن علی خان لقب عبداللہ خان ظفر جنگ۔ جب کہ دوسرے بھائی کا نام حسین علی خان تھا۔ اورنگزیب عالمگیر کے بعد فوجی طاقت، خاص کر ان دو بھائیوں کی طاقت مزید بڑھ گئی اور چھ بادشاہ بنانے میں کردار ادا کیا اور بادشاہ گر کہلائے۔ محمد شاہ رنگیلا نے ان بھائیوں کو مار ڈالا۔

پانی پت اور دبستان دہلی:

"پانی پت" ہریانہ انڈیا کا مشہور شہر ہے۔ اس میں تین اہم جنگیں لڑی گئی تھیں۔ پہلی لڑائی مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر اور سلطان ابراہیم لودھی شاہ دہلی کے درمیان ۱۵۲۶ میں پانی پت کے میدان میں ہوئی۔ لودھی کو شکست ہوئی اور مغل سلطنت کا آغاز ہوا۔ دوسری لڑائی عادل شاہ کے وزیر ہیموں بقالی اور بہرام خان (اکبر اعظم کی تخت نشینی کے دوران ۱۵۵۴) کے درمیان ہوئی جس میں عادل شاہ کے وزیر کو شکست ہوئی۔ تیسری لڑائی احمد شاہ [illegible] کے درمیان ۱۷۶۱ میں ہوئی جس میں مرہٹوں کو شکست ہوئی تھی۔

فورٹ ولیم کالج کے مقاصد:

ہندوستان کے تہذیب و ثقافت سے انگریزوں کا آشنا ہونا اور معلومات فراہم کرنا تاکہ احسن طریقے سے [illegible]۔

فورٹ ولیم کالج کی خدمات یا اثرات:

(۱) اردو زبان کی ترقی (۲) اردو نثر کو فروغ (۳) پہلی دفعہ ادب اجتماعی صورت میں تخلیق ہوا (۴) نیا [illegible] (۵) سادگی اور سلاست کو فروغ حاصل ہوا (۶) تراجم نگاری کا باقاعدہ آغاز [illegible] (۸) صرف و نحو کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔

فورٹ ولیم کالج کے چند مصنفین اور ان کی تصانیف:

میر امن دہلوی (باغ و بہار) میر شیر علی افسوس (آرائش محفل) حیدر بخش حیدری (آرائش محفل، قصہ مہر ...) میر بہادر علی حسینی (نثر بے نظیر، اخلاق ہندی) کاظم علی جوان (شکنتلا، بارہ ماسہ) اور مرزا علی لطف (لطائف ہندی) وغیرہ۔

فورٹ ولیم کالج کا منفی پہلو:

مقامی لوگوں میں لسانی اختلافات یعنی اردو، ہندی اور بنگالی میں تصادم، عربی اور سنسکرت کا الگ الگ قیام بھی انتشار کا ذریعہ بن گیا تھا۔

حیدری اور افسوس کی تصنیف آرائش محفل میں فرق:

حیدری کا حاتم کے سات مہمات پر مشتمل ایک داستان ہے جب کہ افسوس کا تاریخی اور جغرافیائی کتاب یعنی سجان رائے کی کتاب (خلاصۃ التواریخ) کا ترجمہ ہے۔

انجمن پنجاب کا اردو ادب کے لیے خدمات یا انجمن پنجاب کا اردو ادب پہ اثرات.

(۱) نیچرل شاعری کا آغاز ہوا (۲) تحقیق و تنقید کا دائرہ وسیع ہوا (آب حیات) (۳) قومی شاعری کا آغاز ہوا (۴) جدید شاعری کا آغاز ہوا (۵) غزل کی حاکمیت کا خاتمہ اور نظم کو فروغ ملا (۶) تذکرہ نگاری کا خاتمہ ہوا (۷) اخلاقی شاعری کا آغاز ہوا (مناجات بیوہ اور رچپ کی داد وغیرہ) (۸) انگریزی علوم سے لفظ کا نیا مفہوم سامنے آیا (۹) ترقی پسند نظریات کا حامی جس سے بعد میں ترقی پسندوں نے خوب فائدہ اٹھایا (۱۰) علمی، ادبی سیاسی اور معاشرتی مسائل کو اجاگر کیا۔

انجمن پنجاب کا بنیادی مقصد:

لوگوں کے دلوں سے انگریزوں کے خلاف نفرت ختم کرنا۔

انجمن پنجاب کے دو فعال کردار:

محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی

انجمن پنجاب کے تحت آزاد اور حالی کے چند نظموں کے نام:

شب قدر، صبح امید اور ابر کرم از محمد حسین آزاد، برسات، رحم و انصاف، برکھا رت اور حب وطن از حالی

انجمن پنجاب کے تحت کل مشاعرے:

کل مشاعرے ۱۱ پہلا مشاعرہ ۱۸۶۷ جب کہ آخری مشاعرہ ۱۸۷۵ کو ہوا۔

سدھانوں کی معاشرتی اصلاح کرنا۔ اس تحریک نے حقیقت پسندی کو فروغ دیا تہذیب الاخلاق
[illegible] نے [illegible] کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

علی گڑھ تحریک مقاصد:

سیاسی مقاصد: انگریزوں کا ہندوؤں کے ساتھ دوستی اور مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی، مسلم ہندو
[illegible] انگریزوں کی وجہ سے ہندوؤں کا ہر میدان میں آگے بڑھنا۔

مذہبی مقاصد: مسلمانوں کا مذہب سے پھیرنا، غیر اسلامی رسوم و رواج کی پوجاری، عقلی دلائل
[illegible] وضاحت۔

ادبی مقاصد: (۱) سوانح نگاری (خطبات احمدیہ، حیات جاوید، یادگاری غالب، حیات
[illegible] (۲) تاریخ نگاری (آئین اکبری، سیرۃ النبیؐ، المامون، الفاروق (۳) جدید شاعری (۴)
جدید تنقید (شعر العجم، مقدمہ شعر و شاعری) (۵) ناول نگاری (نذیر احمد کی ناول نگاری) (۶) مضمون نویسی
(تہذیب الاخلاق)

علی گڑھ تحریک کے خلاف ردعمل:

مغربی تقلید، مذہبی عقائد اور مغربی تصور مسلمانوں میں رائج کرنے کی وجہ سے ابوالکلام آزاد اکبر آلہ
آبادی، شبلی، نذیر احمد، محسن الملک اور مولانا محمد قاسم نے مخالفت کی تحریک چلائی۔

علی گڑھ تحریک میں سرسید کے رفقاء:

(۱) حالی، شرر (۲) مولوی چراغ علی (۳) نواب محسن الملک (۴) وقار الملک (۵) وحید الدین سلیم
(۶) شبلی (۷) نذیر احمد (۸) مولوی ذکاء اللہ

رومانوی تحریک:

رومانیت وہ داخلی قوت ہے جو نامعلوم کو دریافت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رومانیت کا تعلق
محبت سے ہے۔ اس کا محرک عشق اور دلی واردات ہے۔ جو تخیل کے ذریعے آسمانوں میں سفر کر کے زمین کے
[illegible] کرتا ہے۔ اٹھارویں صدی کی کلاسیکیت کی تحریک نے ادب کو مختلف معنوں میں قیود کا اسیر
[illegible] نے ادب کو ان قیود سے آزاد کر دیا یعنی جذبہ و تخیل کی وہ رو جسے علی گڑھ تحریک نے روکنے کی
[illegible] رومانوی تحریک کی وجہ سے سطح پر ابھرے بہ غیر نہ رہ سکی اس تحریک کو حزن کی تحریک بھی کہا جاتا ہے
[illegible] روایات شکنی اور ابوالکلام آزاد نے اس تحریک کو فوقیت دی۔

انجمن پنجاب کا طویل مشاعرہ:

۸ مئی ۱۸۷۴۔ یہ مشاعرہ گیارہ مہینے جاری رہا۔

ایہام گوئی تحریک کا مختصر تعارف:

ایہام گوئی کی تحریک محمد شاہی دور کے خاص تہذیبی پس منظر کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ تحریک اپنے دور کے سیاسی سماجی اور معاشرتی حالات کا عکس ہے۔ جالبی کے مطابق لفظ ایہام کے دو معنی ہیں پہلا معنی یا صورت کو اوماج اور دوسری صورت کو ایہام کہتے ہیں۔ محمد شاہی عہد میں عوام و خواص اپنے کھوکھلے پن کو چھپانے کے لیے ایہام کا سہارا لیا۔ خاص کر سپاہی پیشہ لوگوں نے یعنی عیش و عشرت کے ماحول کو چار چاند لگانے کے لیے فقرہ بازی، لطیفہ گوئی، ضلع جگت اور پھبتیوں کا سہارا لیا اور اپنے کوکھلے پن کو چھپانے کی کوشش کی یہ تحریک ۲۵ سال تک قائم رہی۔

چند ایہام گو شعرا کے نام:

آبرو، مضمون، یک رنگ، شاکر ناجی، حاتم، آرزو اور فائز وغیرہ۔

ایہام گوئی کے اسباب:

(۱) سیاسی و سماجی محرکات (۲) لسانی محرکات یا اسباب

ایہام گوئی کے اثرات:

(۱) معاشرتی و تہذیبی حوالے (۲) مجلسی یا اجتماعی رنگ (۳) ہندی اور دکنی الفاظ کی کثرت (۴) ارضیت کا احساس (۵) نئے نئے الفاظ کی تلاش۔

تازہ گوئی تحریک:

ایہام گوئی کا ردعمل کے طور پر جو تحریک وجود میں آئی اسے تازہ گوئی تحریک کہتے ہیں۔ سب سے پہلے اس کے خلاف ردعمل مظہر جان جاناں نے ظاہر کیا اور اس ردعمل کا یہ اثر ہوا کہ حاتم جیسے ایہام گو شاعر نے نیا رنگ سخن اپناتے ہوئے ایہام گوئی کو خدا حافظ کہا اور اپنا دیوان نئے سرے سے قائم کیا جو "دیوان زادہ" کے نام سے مشہور ہوا۔

علی گڑھ تحریک:

۱۸۵۷ میں اس تحریک کی بنیاد پڑی۔ یہ ایک تعمیری تحریک تھی جو انگریز اور مسلمانوں کو قریب لانے اور انگریزی خیالات کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ یہ ایک مقصدی اصلاحی تحریک تھی جس کی بنیاد عقل پسندی اور حقیقت پر تھی۔ جو مسلمانوں کی غلامی، معاشی اور تعلیمی زوال سے ابھری تھی۔ مختصر یہ کہ فلسفہ سائنس

رومانوی تحریک کے شعرا: اقبال، اختر شیرانی، احسان دانش، جوش، حفیظ جالندھری وغیرہ۔

رومانوی تحریک کے نثر نگار: یلدرم، ابوالکلام آزاد، نیاز فتح پوری، مرزا ادیب، امتیاز علی تاج، مہدی آفادی اور مجنون گورکھپوری وغیرہ۔

ترقی پسند تحریک: حقیقت نگاری کی تحریک جس کی بنیاد تخیل کی بجائے انسانی زندگی اور اس کے گرد پیش پر ہے۔ اس تحریک نے آواز بلند کی کہ انسان کا سب سے بڑا وسیلہ معاشی ہے مذہبی نہیں کیوں کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب غریب کو روٹی، کپڑا اور مکان نہیں دے سکا یعنی اس تحریک نے غریب اور مزدور کے لیے کپڑا، روٹی اور مکان پر زور دے دیا اور انسان کو خیالی دنیا سے چھٹکارہ پانے کی سعی کی۔ ہندوستان میں اس تحریک کا آغاز افسانوی کتاب "انگارے" کی اشاعت سے ہوئی۔ اس مجموعوں کے ادیبوں میں احمد علی، سجاد ظہیر، رشیدہ جہاں اور محمود الظفر شامل ہیں۔

ترقی پسند مصنفین: پریم چند، کرشن چندر، عصمت چغتائی، بیدی، منٹو، اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ۔

ترقی پسندی شعرا: فیض، جوش، ندیم قاسمی، ظہیر کاشمیری، حبیب جالبی اور علی سردار جعفری وغیرہ۔

حلقہ ارباب ذوق:

۲۹ اپریل ۱۹۳۹ کو قائم ہوا۔ اردو زبان کی ترویج و اشاعت، اردو لکھنے اور نوجوان لکھاریوں کی حوصلہ افزائی بنیادی مقصد تھا۔ پہلا نام "مجلس داستان گویا" تھا۔ قیوم نظر اس حلقے کے سب سے فعال اور متحرک شخصیت رہے۔ ۱۹۴۰ تک اس حلقے میں دو رجحان نظر آتے ہیں۔ ایک ترقی پسندوں کا وہ رجحان جس کا تعلق اجتماعیت سے ہے۔ دوسرا داخلیت کا رجحان۔ یعنی دو رجحان جس میں میراجی اور اس کے مکتب فکر کے لوگ شامل ہیں۔ اس حلقے نے ادب برائے فن اور ادب برائے ادب پر زور دیا۔ اس حلقے پر فرانس کی حلقہ ارباب ذوق شعرا (علامت نگاری کے اثرات زیادہ ہیں۔ ن م راشد، [illegible] مجید امجد، منیر نیازی، شہزاد احمد وغیرہ)

حلقہ ارباب ذوق کے افسانہ نگار:

انتظار حسین، نسیم حجازی، شیر محمد اختر، ممتاز مفتی، بیدی، کرشن چندر اور اشفاق احمد وغیرہ۔

پرچہ دوم

داستان اور اردو ادب:

جس زمانے میں داستان وجود میں آئی اس عہد کے بادشاہ، شہزادے سب راتوں کو دیر تک محفلیں سجاتے اور خیالی، تصوراتی قصے سنتے تھے اور حقیقت سے دور خیالوں کی دنیا میں رہنا پسند کرتے تھے، اس لیے انہیں قصوں سے داستان نے جنم لی اور اردو ادب میں متعارف ہوئی۔

داستان کے فنی لوازمات یا عناصر:

(۱) پلاٹ (۲) مافوق الفطرت عناصر (۳) کردار نگاری (۴) تصویر کشی (۵) درس اخلاق۔

اردو کے چند اہم داستانیں:

(۱) سب رس (۲) داستان امیر حمزہ (۳) الف لیلہ (۴) آرائش محفل (۵) باغ و بہار (۶) بوستان خیال (۷) فسانہ عجائب۔

باغ و بہار کے مرد کردار:

(۱) **پہلا درویش:**

یمن کے تاجر کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کی محبوبہ دمشق کی شہزادی ہے۔

(۲) **دوسرا درویش:**

فارس کا شہزادہ ہے۔ بصرے کی شہزادی اس کی محبوبہ ہے۔

(۳) **تیسرا درویش:**

عجم کا شہزادہ ہے، فرنگ کی شہزادی اس کی محبوبہ ہے۔

(۴) **چوتھا درویش:**

چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے پیر مرد عجمی کی بیٹی اس کی محبوبہ ہے۔

(۵) **بادشاہ آزاد بخت:**

کہانی کا ہیرو ہے۔ بڑی سلطنت کا تنہا وارث ہے۔ سخی اور نیک دل ہے۔ اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔

چالیس برس کو پہنچ چکا ہے۔ آخر میں دل کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ مرد کرداروں میں یہ ایک جاندار کردار ہے۔

(۶) خواجہ سگ پرست:

ڈاکٹر سہیل بخاری نے باغ و بہار کا سب سے جان دار کردار سگ پرست کو قرار دیا ہے۔ خواجہ صاحب نیشاپور کا سوداگر ہے۔ حد درجہ حسن پرست ہے۔ نیکی اور محبت میں انتہا پسند ہے۔ شریف اور بے رؤف ہے۔ اپنے بھائیوں سے دغا پہ دغا کھاتا ہے مگر پھر بھی انہیں خیر خواہ سمجھتے ہیں۔ اس کی محبوباؤں میں سراندیپ کی شہزادی اور زیر باد کی رانی شامل ہیں۔

نسوانی کردار:

وزیرزادی:

باغ و بہار کے نسوانی کرداروں میں سب سے جاندار کردار ہے۔ بڑی دانش مند اور دنیادار ہے۔ نسوانی صفات کے مرقع ہونے کے علاوہ مردانہ صفات کا بھی مظہر ہے۔ خردمند وزیر کی بہادر بیٹی ہے۔

دمشق کی شہزادی:

کہانی کی ہیروئن ہے۔ وزیرزادی کے بعد تمام نسوانی کرداروں میں جاندار کردار ہے۔ پہلے درویش کی محبوبہ ہے۔

سراندیپ کی شہزادی:

خواجہ سگ پرست کی محبوبہ ہے۔

بصرے کی شہزادی:

صاحب ہمت اور عقل مند لڑکی ہے۔ دوسرے درویش کی محبوبہ ہے۔

فرنگ کی شہزادی:

تیسرے درویش کی محبوبہ ہے۔

مرد عجمی کی بیٹی

چوتھے درویش کی محبوبہ ہے۔

زیرباد کی رانی:

خواجہ سگ پرست کی محبوبہ ہے۔

پہلے درویش کی بہن:
ایک قابل ذکر کردار ہے۔

باغ و بہار میں تہذیب کی عکاسی:
باغ و بہار میں دہلوی تہذیب "عقائد" (افکار) توہمات کی بہترین انداز میں عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔

فسانۂ عجائب:
لکھنوی تہذیب، معاشرت خاص کر محمد شاہ کے دور کی لاشی اور زوال کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔

کردار نگاری:

شہزادہ جان عالم کا کردار:
اس داستان کا مرکزی کردار اور ہیرو ہے۔ شہنشاہ فیروز بخت کے ہاں ساٹھ برس کی عمر میں بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد پیدا ہوا ہے۔ لکھنوی نوابوں اور شہزادوں کی خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہے۔

انجمن آرا کا کردار
ملک زرنگار کی شہزادی، جان عالم کی محبوبہ اور کہانی کی ہیروئن ہے۔

ملکہ مہر نگار:
اس داستان کا سب سے دل کش اور جاندار کردار ہے۔ سائیڈ ہیروئن ہے۔ دانش مندی اور بہادری کا مرد نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ فنی کرداروں میں طوطا، چڑی مار اور اس کی بیوی شامل ہے، اسلوب باغ و بہار کے بالکل برعکس یعنی پر تصنع، دقیق اور رنگین عبارت آرائی پر مبنی ہے۔

فسانۂ آزاد:
لکھنوی تہذیب کی بہترین مرقع کشی ہے۔ یہ لکھنوی تہذیب کے اس المیے سے فرار اختیار کرنے کی ایک کاوش ہے جس نے مغل سلطنت کے زوال اور اس سے پیدا ہونے والی طوائف الملوکی کی فضا سے جنم لیا۔

کردار نگاری:

آزاد کا کردار:
کہانی کا ہیرو ہے۔ آوارہ اور کم تو انسان ہے۔ شاعر اور نثر نگار کے علاوہ بے مثال مقرر بھی ہے۔ ترقی پسند ذہن ہونے کے علاوہ تعلیم نسواں کا بھی حامی ہے۔

۴۱) دہلی کا سفر ولی نے کس دوست کی معیت میں کیا:

1700ء میں، عزیز دوست شاہ ابوالمعالی کی معیت میں۔

۴۲) ولی کی غزل کے لیے سب بڑی عطا:

دکنی غزل کو فارسیت سے آزاد کر دیا۔

۴۳) ولی کی شاعری کی نمایا خصوصیات:

خارجیت۔ نشاطیہ رحجان۔ احساسات حسن کی شاعری۔

۴۴) "ولی نے انسان حسن کو بڑی شدت سے محسوس کیا ہے" کس کا قول ہے:

عبادت بریلوی۔

۷) ولی کی شاعری میں نمایاں عنصر یا ولی کے کلام کی عمومی فضا:

نشاطیہ اور خوشی کا عنصر۔ وصال کا شاعری ہیں۔ ہجر کا ذکر صرف لطف بیان کرنے کے لیے کرتا ہے۔

۸) ولی ہجر کا ذکر صرف لطف کے لیے کرتے ہیں حوالہ:

؎ ولی وصل و جدائی سوں سجن کی
کبھو صحرا کبھو گل زار ہیں ہم

۹) ولی وصال اور نشاطیہ شاعری کے شاعر:

ع شغل بہتر ہے عشق بازی کا

؎ عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

۱۰) ولی اور محبوب کی سراپا نگاری:

؎ وہ نازنیں ادا میں اعجاز ہے سراپا
خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا

۱۱) ولی کا تصور عشق:

؎ شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

ولی کے تصور عشق میں وفاداری بہ شرط استواری کا عقیدہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ولی کے عشق میں ایک شائستگی ہے۔ پہلی بار تصور عشق علوی (بلندی) سطح پر ابھر کر سامنے آیا۔

۱۲) ولی کے محبوب کے نام:

مختلف نام ہیں جیسے ساجن، پیتم پیارے، لالن۔ من موہن، فتنہ، وغیرہ۔

۱۳) ولی کی شاعری میں معاملات عشق سے زیادہ بیان:

احساسات حسن و جمال کا بیان ہے۔

۱۴) ڈاکٹر سید عبداللہ نے ولی کی شاعری عراقی طرز کے زیادہ قریب قرار دی ہے۔ مطلب:

عراقی شاعری میں معاملات عشق سے معاملات حسن و جمال زیادہ ہوتے ہیں جو ولی کی شاعری کا خاصہ ہے۔

آغا تلمیذ الرحمان کردار ہیں۔

کافی: ایک خوبصورت انشائیہ نما مضمون ہے جس میں کافی کے حوالے نہایت معلوماتی اور لطف باتیں کی گئی ہیں۔

موذی: مرزا عبدالودود بیگ کے سگریٹ چھوڑنے اور شروع کرنے کی داستان ہے۔

سنہ: نصابی کتابوں میں طلبہ کو بادشاہوں اور جنگوں وغیرہ کی تاریخیں یاد کرنے کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کا خوب صورت بیان ہے۔

جنون لطیفہ:

اس مضمون میں باورچیوں اور خانساماؤں کی عجیب وغریب شرائط وحرکات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

چارپائی اور کلچر:

اس مضمون میں چارپائی اور کلچر کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔

گھر میں آنا مرغیوں کا:

مرغیوں اور جانوروں سے متعلق تاریخی وطبی معلومات فراہم کیے ہیں۔

کرکٹ:

کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔

صنف لاغر:

خواتین کے رنگ ڈھنگ اور ان کے تاریخی معاشرتی مطالعہ پر بحث کی ہے۔خاص کر عورت کے موٹا پے کے حوالے سے عمدہ تبصرہ کیا ہے۔

موسموں کا شہر:

کراچی شہر کے موسموں کے جائزہ لیا گیا ہے۔

کاغذی پیراہن:

ایک مکالماتی مضمون ہے یعنی ماڈرن مصوری سے متعلق چار دوستوں کے دل چسپ گفتگو پر مبنی مکالمہ ہے۔

یادش بخیر:

اس مضمون میں ان نوجوانوں پر طنز ہے جو اپنی نوجوانی کی عینک سے بڑھاپے میں بھی دنیا کو دیکھتے ہیں۔

نثری کاوشوں سے اردو دان طبقے کو روشناس کرایا گیا ہے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے منفی اور مثبت پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ کوئی خاص موضوع نہیں بلکہ تمثیلی اظہار ہے۔ بعض مضامین انسان کے قوائے عقل، حواس اور اخلاق کے حوالے سے ہیں، یہ مضامین کتابی صورت میں آنے سے پہلے انجمن مفیدہ عامہ رسالے میں شائع ہوتے رہے۔ یہ مضامین ایڈیسن اور جانسن کے مضامین سے ماخوذ ہیں مگر محمد حسین آزاد کی مہارت نے انہیں تخلیق کا رنگ دیا ہے "انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا"، "خوش طبعی"، "جھوٹ اور سچ کا رزم نامہ"، "سیر زندگی"، اور "نکتہ چینی" وغیرہ جیسے مضامین اس کتاب میں شامل ہیں۔

غبار خاطر:

ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ کل ۲۴ خطوط ہیں جو ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۵ء کے دوران جیل میں لکھے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ اجمل خان نے ۱۹۴۶ء میں شائع کیا۔ آزاد نے یہ خطوط دوران جیل حبیب الرحمان شروانی کے نام سے لکھے تھے۔

غبار خاطر خطوط یا انشائیے:

خط یا انشائیہ ذاتی اظہار کی چیز ہے اس لیے غبار خاطر میں خطوط اور انشائیہ دونوں کے لوازمات موجود ہیں۔ مکتوب نگاری کی فضا ہونے کی وجہ سے زیادہ تر محققین اسے انشائیہ نما خطوط کے زمرے میں رکھتے ہیں، مذہب اور فلسفہ کے اثرات ان تحریروں میں نمایاں ہیں۔ اہم خوبی سادہ اسلوب ہے۔ خطوط کے دیگر خصوصیات میں انانیت، طنز و ظرافت، محاکات نگاری، خطابت، جمالیات شعری زبان اور سوز و گداز شامل ہے۔

مضامین رشید:

رشید احمد صدیقی کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ کل مضامین کی تعداد ۲۰ ہے، دو حصوں میں تقسیم کیے گئے ہیں شخصیت نگاری اور مزاح نگاری اہم خوبیاں ہیں۔ قول محال اور سہ حرفی کا خوب استعمال کیا گیا ہے۔ تمام مضامین پر علی گڑھ اور سرسید کے اثرات ہیں۔ چارپائی مغالطہ، حاجی اور دھوبی مضامین، پاسبان اور مرشد بہترین انشائیے ہیں۔

شہاب نامہ:

۵۰ سالہ دور پر محیط تاریخی دستاویز اور ایک خودنوشت سوانح عمری ہے۔ خاکہ نگاری، تاریخ نگاری، آپ بیتی، تصوف، عشق رسولؐ اور صداقت اہم خصوصیات ہیں۔ اس میں کل ۵۸ ابواب ہیں۔ خاکوں میں یحییٰ خان شہزاد اور ایوب کے خاکے شامل ہیں۔

(پرچہ سوم)

سب رس:
ایک تمثیلی داستان ہے۔ اسے حسن و دل اور عقل و عشق کی کہانی بھی کہا جاتا ہے۔ تمثیلی داستان کے ساتھ صوفیانہ مسلک کا بھی آئینہ دار ہے۔ عقل مغرب کا بادشاہ ہے اور دل اس کا بیٹا۔ عشق مشرق کا بادشاہ اور حسن اس کی بیٹی ہے۔ داستان کی بنیاد آب حیات پر ہے۔ اس میں کل ۷۶ کردار ہیں۔ یہ کہانی دستور عشاق کا خلاصہ ہے جو نثر میں ہے۔ یہ کہانی دکنی معاشرت کا عکاس ہے۔ کرداروں میں نظر، عافیت، ناموس، زہد اور زرق وغیرہ شامل ہیں۔

خطوط غالب:
خطوط غالب کے مجموعوں میں عود ہندی، اردوئے معلیٰ، مکاتیب غالب اور نادرات غالب شامل ہیں۔ غالب کے مکاتیب سے جدید نثر کا آغاز ہوا۔ لمبے لمبے القابات، مسجع اور مقفیٰ نثر کا خاتمہ ہوا۔ خطوط غالب میں موضوعات کا تنوع ہے۔ مکالمہ نگاری، منظر کشی، مزاحیہ نثر، تاریخ نگاری، جزئیات نگاری، انشائیہ نگاری، آپ بیتی، رپورتاژ، ڈراما اور ناول وغیرہ جیسی اصناف کے ابتدائی نقوش خطوط غالب میں ملتے ہیں۔ جن سے بعد میں خوب فائدہ اٹھایا گیا۔ خاص کر دبستان سرسید کے ادیبوں نے خوب استفادہ کیا۔ یہ خطوط اپنے عہد کی سیاسی و معاشرت کے عکاس ہیں۔

مضامین سرسید:
تین قسم کے مضامین ہیں۔ مذہبی، سیاسی اور اصلاحی و اخلاقی مضامین۔ ان مضامین سے مضمون نگاری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ سادہ اسلوب جس کی بنیاد غالب نے رکھی تھی، کو فروغ حاصل ہوا یعنی جدید نثر کا آغاز ہوا۔ مسجع نگاری کا خاتمہ ہوا۔ مقصدیت اور مدعا نگاری کا آغاز ہوا۔

تہذیب الاخلاق کے مقاصد:
قوم کے اخلاق بہتر کرنا، قوم میں زندہ دلی پیدا کرنا، قوم کو جدید تعلیم کی طرف راغب کرنا اور مسلمانوں کی معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی زندگی میں انقلاب لانا وغیرہ۔

نیرنگ خیال:
محمد حسین آزاد کے تمثیلی مضامین کا مجموعہ ہے۔ کل ۱۳ مضامین ہیں جو طبع زاد نہیں ہیں۔ ان میں طرز

انسانی کمزوریوں کو نشانہ بنایا ہے۔

ہاسٹل میں پڑنا:

طلبا کی نفسیاتی کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ مکمل مضمون طلبا کے معصومانہ ذہنیت کا عکاس ہے۔

کتے:

معاشرتی منافقتوں کو بے نقاب کیا ہے۔ جانوروں کی نفسیات کے پس منظر میں انسانی رویوں کو آشکارہ کیا ہے۔ بڑے بڑے ضرب الامثال باندھے گئے ہیں۔

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی:

ان لوگوں خاص کر طلبا کی نفسیات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جو امتحانات سے پہلے اپنا قیمتی وقت عیش و عشرت میں گزار دیتا ہے اور امتحان آنے پر مختلف تدابیر سوچتا ہے۔

میں ایک میاں ہوں:

اس مضمون میں شوہر کی نفسیات اور واقعات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جو ہر خاوند کو روزمرہ کی بنیاد پر پیش آتے ہیں۔

مرید پور کا پیر:

جاہل اور سیاست سے ناآشنا لیڈر کی نفسیات کا خوب جائزہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔

مرحوم کی یاد میں:

ایک بائیسکل کا تذکرہ ہے جو ایک سادہ لوح دوست نے خلوص کے ساتھ پطرس کو عنایت کی تھی۔

[illegible] آخری کتاب:

[illegible] مزاحیہ کالموں کا مجموعہ ہے۔ ملکی سیاست، پاکستان کی پرآشوب تاریخ اور بے مثال ردعمل کتاب [illegible] گیا ہے۔ ماضی کا ذکر کر کے حال کا پردرد ذکر چھیڑا ہے۔ مختلف ابواب اور عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ [illegible] باقاعدہ آغاز ایک دعا سے ہوتا ہے۔

[illegible] نازک ملی:

[illegible] میں کل ۱۲ مضامین ہیں۔ ان مضامین میں مزاح زیادہ اور طنز کم ہے۔ مزاح کے تمام لوازمات [illegible] گیا ہے۔ رشید احمد صدیقی کا اثر ہے اور سنجیدگی بھی، موازنہ، تضاد اور پیروڈی خاص ہتھیار ہیں۔ فکر [illegible] غائب ہے۔ مقصد اصلاح یعنی مقصدیت ہے۔ پروفیسر قاضی عبدالقدوس، مرزا عبدالودود بیگ اور

۱۵) ولی کس قسم کے انسان تھے:

عاشق مزاج اور جہاں گشت انسان تھا۔ تمام دکن کے علاوہ دہلی بھی دو بار آئے۔ حسن پرستی اور آزادی ان کے خمیر میں تھی اور یہی وجہ ہے کہ حسن و جمال ان کی شاعری کا اہم موضوع ہے۔

۱۶) ڈاکٹر سید عبداللہ اور ولی بہ طور شاعر:

جمال دوست (ولی کی حسن پرستی اور جمال پرستی کی وجہ سے)

۱۷) ولی اور لکھنوی شعرا کے معاملات حسن و عشق میں کیا فرق:

لکھنوی شعرا کے ہاں عامیانہ پن جھلکتا ہے جب کے ولی کے ہاں حسن کا احساس اور روح حسن سرور ملتا ہے۔ جنسی پہلو نہیں ملتا۔ ان کے ہاں یہاں نفسانی خواہشات عنقا ہیں۔

۱۸) ولی کا تصور محبوب:

ولی کا تصور محبوب یکساں نہیں ہے مختلف روپ میں سامنے آتا ہے وہ اپنے محبوب کو کبھی ''ساجن'' تو کبھی ''پنچم پیارے'' کبھی ''لالن'' ''موہن'' تو کبھی ''فتنہ رنگین ادا'' سے پکارتے ہیں۔ پھر بھی اسی دنیا کا جیتا جاگتا انسان ہے جو حسن و جمال کے ساتھ باطنی خوبیوں سے بھی متصف ہے۔

۱۹) ولی کا کلام حقیقی (داخلیت) ہے یا مجازی (خارجیت):

دونوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

ع شغل بہتر ہے عشق بازی کا

۲۰) ولی کا تصور حسن:

ولی کا تصور حسن آفاقی ہے۔

۲۱) ولی کے کلام میں صوفیانہ عناصر:

جی ہاں! ولی فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اگر چہ تصوف کا غالب رجحان نہیں مگر ایک اہم رجحان ضرور ہے۔

عشق کر اے دل صدا تجرید کی
عاشقی ہے ابتدا توحید کی

ولی عشق مجازی کو عشق حقیقی کا اول زینہ قرار دیتے ہیں۔

ع شغل بہتر ہے عشق بازی کا

حسن آرا:

ناول کی ہیروئن، بلا کی حسین اور تعلیم یافتہ خاتون ہے۔

خوجی کا کردار:

لکھنو کے زوال پذیر معاشرے کی علامت ہے۔اس زمانے کے سارے عیوب ان میں موجود ہیں۔بے حد درجہ چالاک اور عیار کردار ہے۔

اللہ رکھی:

ایک بھٹیارن ہے۔اصل نام ثریا بیگم ہے۔آزاد پہ عاشق ہے۔

ہمایوں فر:

آزاد خیال ترقی پسند اور چالاک لڑکی ہے۔ہمایون کی محبوبہ ہے۔

فسانہ آزاد ناول یا داستان:

حقیقت نگاری، جاندار کرداروں، ہنسی مذاق وتفریح اور جاندار مکالموں کی وجہ سے ناول کے زمرے میں آتا ہے۔جب کہ طوالت کی وجہ سے داستان کے زمرے میں۔لہذا ناول کی طرف زیادہ جھکتا ہے۔بہ الفاظ دیگر مافوق الفطرت عناصر نہ ہونے کی وجہ سے اسے داستان کہنا مشکل ہے۔جب کہ پلاٹ میں واقعات کا تسلسل اور ترتیب نہ ہونے کی وجہ سے ناول کہنا بھی مشکل،لہذا یہ داستان اور ناول کی درمیانی کڑی ہے۔

فسانہ آزاد دو دنیاوں کا سنگم:

ایک دنیا مغل دور کی عظیم شان وشوکت اور زوال، دوسری طرف آزاد اور خوجی کی دنیا جو مغل دور کے بالکل برعکس ہے۔

نذیر احمد کی ناول نگاری:

نذیر احمد کے ناولوں کی اکائی:

اصلاح اور مقصدیت

نذیر احمد کا زبان:

ٹکسالی

) ولی کی شاعری میں ریختہ گوئی کا آغاز:

سفرِ دہلی کے دوران

۱) ولی دکنی کے قصیدوں، مخمس۔ قطعات، رباعیاں اور مثنویاں کی تعداد:

5 قصیدے، 8 مخمس، 6 قطعات، 26 رباعیاں اور 2 مثنویاں لکھیں۔

۲) ولی کی غزلوں کی تعداد:

456

۳) ولی دکنی کا اصل نام:

ولی دکنی کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ شمس الدین اور ولی محمد دو نام زیادہ مضبوط حوالوں سے کہے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی نام سیم اختر نے بیان کیے ہیں۔ دکن کے باشندہ ہونے کی وجہ ولی دکنی سے مشہور ہوئے۔

۳۶) ولی جائے پیدائش:

اس میں بھی اختلاف ہے۔ اہل گجرات والے سے یہاں کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ اور اہل دکن اسے اورنگ آباد دکن کا ولی کے اشعار سے دکنی ہونا ثابت ہے۔

۳۷) ولی دکنی کے شوق:

تحصیل علم۔ ۲۰ سال تحصیل علم میں گزارے اس کے لیے اورنگ آباد سے گجرات اور دہلی سفر کیا

۳۸) ولی اور احمد آباد میں تعلیم:

احمد شاہ وجیہ الدین کی خان قاہ میں تعلیم پائی۔

۳۹) ولی کا پیر:

شاہ نورالدین سہروردی۔

۴۰) دہلی میں ولی نے کس کے کہنے پر ہندی ترک کر کے ریختہ گوئی میں شعر کہنے کا اغاز کیا:

علامہ جان گلشن کے مشورے پر سفر دہلی کے دوران۔ جس سے ولی فارسی شعرا کی طرف راغب ہوئے۔

اے ولی جب نظر میں وہ آیا
نقش سب ماسوا کے ہوگئے حک

۲۲) ولی کے سامنے اردو شاعری کی ایک صحت مند روایت تھی اور زبان بہت حد تک صاف ہو چکی تھی
۔ یہ روایت اور صاف زبان کس کے توسل سے ولی تک پہنچی:
صوفیانہ کرام اور امرا کے توسل سے۔

۲۳) ولی نے زبان کے حوالے سے کیا کارنامہ انجام دیا:
فارسی مضامین و تراکیب استعمال کر کے اردو دامن کو وسیع کیا۔ اس کے علاوہ ہندی کے سبک اور موسیقی،
لطافت سے بھرپور الفاظ کو اردو شاعری میں جگہ دی۔

۲۴) کیا ولی کی شاعری کی زبان آج بھی رائج ہے:
جی نہیں۔ اس کی زبان متروک ہے مگر دیوان ہر جگہ ملتا ہے۔

۲۵) ولی سے کن فارسی گو شعرا نے متاثر ہو کر اردو اسلوب میں غزل لکھنی شروع کی۔
مظہر جان جاناں، شاہ مبارک آبرو، یک رنگ، مضمون، شاکر ناجی وغیرہ

۲۶) ولی کا موازنہ چاسر شاعر سے:
. ولی کو اردو شاعری کا چاسر کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ دونوں اپنی زبانوں کی شاعری کے باوا آدم ہیں۔

۲۷) ولی کے چند ہم عصر شعرا کے نام:
عاجز، ضعفی، سراج اورنگ آبادی۔ ذوقی وغیرہ۔

۲۸) ولی سے قبل اردو غزل کے ادوار:
۱۔ پہلا امیر خسرو کا۔ دوسرا قلی قطب شاہ ور قطب شاہی دور۔

۲۹) ولی کی شاعری میں کون سی اصناف نہیں ہیں:
مرثیہ۔ واسوخت۔

۳۰) ولی کی شاعری کے دور کو کہا جاتا ہے:
عہدِ ولی

۳۱) ولی کے مشہور نقاد ہیں:
[illegible]

(پرچہ پنجم) "اردو غزل گو شعرا"

"ولی دکنی"

ولی دکنی کے اشعار:

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

۱) ولی کے ہاں تخاطب کے حوالے:

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل روسوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

۲) ولی اردو شاعری کا باوا آدم:

ولی نے پہلی بار اردو غزل کو بنیاد فراہم کی۔ ترقی یافتہ اور زندہ جاوید زبان عطا کی۔ روایات ترتیب دیں۔ [illegible] میں جدت اور تنوع پیدا کی اور غزل کو جینا سکھایا۔ اور درست صورت میں پیش کیا۔

۳) ولی کی شاعری کا بنیادی موضوع:

محبوب کا حسن و جمال اور سراپا نگاری یعنی حسن و عشق۔

۴) میر تقی میر کا ولی کی عظمت کا اعتراف:

خوگر نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ کہنے کے
معشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا

۵) ولی [illegible] کا شاعر ہیں:

[illegible]

میر تقی میر

۱) میر کی عظمت شناسی کے حوالے سے اساتذہ فن کا طرح اظہار:

غالب:

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

ناسخ:

شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہیں جو معتقد میر نہیں
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

حسرت موہانی:

شعر میرے بھی ہیں پر درد و لیکن حسرت
میر کا شیوہ گفتار کہاں سے لاؤں

ذوق:

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

فراز:

فراز شہر غزل میں قدم سلوک سے رکھنا
کہ اس میں میر سا غالب سا خوش نوا بھی ہے

مصحفی:

اے مصحفی تو اور کہاں شعر کا دعویٰ
پھبتا ہے یہ انداز سخن میر کے منہ پر

مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے یہ ڈھائی ہزار سال کی ثقافت ہے۔اس ناول میں شعور کی رو تکنیک کو استعمال کیا گیا ہے۔مرکزی کردار میں گوتم اور کمال شامل ہیں۔

افسانہ نگاری

سجاد حیدر یلدرم:

خارستان وگلستان:

جنس مخالف کی ضرورت اور اہمیت،جنسی جبلت کی قوت اور جنس یا جنسی بیداری اس افسانے کا موضوع ہے۔یعنی مرد عورت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزم ہیں،نسرین نوش اور خار اور مرکزی کردار ہیں۔یہ افسانہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔پہلا حصہ گلستان،دسرا خارستان اور تیسرا شیراز کہلاتا ہے۔

ازدواج محبت:

لالچ سے پاک محبت اس افسانے کا موضوع ہے۔مرکزی کرداروں میں ڈاکٹر نعیم اور قمرالنسا شامل ہیں۔

سودائے سنگین:

محبت میں عورت کی بے وفائی کے مرد پہ اثرات اس افسانے کا موضوع ہے۔افلاطونی عشق اور نفسیاتی الجھن کو بھی افسانے کا موضوع بنایا گیا ہے۔فرامرز جمشید اور بے نام محبوبہ مرکزی کردار ہیں۔

منشی پریم چند:

کفن:

معاشرتی ناانصافیوں سے پیدا ہونے والا دکھ،غربت اور اس کے اثرات اس افسانے کا موضوع ہے،گھیسو،مادھو اور بدھیا کردار ہیں۔

سوا سیر گیہوں:

ظالم اور مظلوم طبقے کی زندگی اور اثرات اس افسانے کا موضوع ہے۔شنکر،مہاجن،پنڈت،اور مہاتما جی کردار ہیں۔

زیور کا ڈبہ:

نیکی کر دریا میں ڈال افسانے کا موضوع ہے۔اس کے علاوہ طبقاتی درجہ بندی،انسانی رویوں اور سماجی مسائل کو بھی افسانے کا موضوع بنایا گیا ہے۔چندر پرکاش مرکزی کردار ہے۔باقی کرداروں میں ویرانیدر،

مراۃ العروس:

اصلاحی ناول ہے۔ موضوع خانہ داری کی تربیت ہے۔ خاص کر لڑکیوں کی تربیت، ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا۔ دو بنیادی کردار ہیں۔ اکبری اور اصغری، باقی کرداروں میں ماما عظمت، دوراندیش خان، محمد عاقل، محمد کامل اور محمودہ شامل ہیں۔

بنات النعش:

موضوع: خانہ داری کی تربیت اور اخلاق کی تعلیم ہے، مرکزی کردار حسن آرا ہے۔

توبۃ النصوح: موضوع۔ اولاد کی تربیت

فسانہ مبتلا: ایک سے زیادہ شادیاں اور ان کی خرابیاں موضوع ہے۔

ابن الوقت: دوسروں کے رہن سہن کی نقل کرنے والا اور فائدہ کے خاطر بدلنے والا اس ناول کا موضوع ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ابن الوقت کے پردے میں سرسید پر چوٹ کی گئی ہے۔ لیکن اصل میں ابن الوقت کسی کا خاکہ نہیں بلکہ ہندوستانیوں کے ذہنی غلامی کی عکاسی ہے یعنی ابن الوقت ایک علامتی و مثالی رنگ کا مظہر ہے۔ جس کے پیچھے اس وقت کے تعلیم یافتہ نوجوان تھے جو مغرب کی تقلید کر رہے تھے۔

ایامیٰ: بیوہ عورتوں کا عقد ثانی موضوع ہے۔ آزادی بیگم مرکزی کردار ہے۔

رویائے صادقہ: مدلل مذہبی افکار اور مذہب اسلام کو عقل سے ثابت کرنا ناول کا موضوع ہے۔ مرکزی کردار صادقہ ہے۔

فردوس بریں: ناول کا موضوع فرقہ باطنیہ کی تحریک ہے، اس فرقہ کا بانی حسن صباح تھے جس کا قول تھا "ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور تم ستر ہزار پردوں میں اسے دیکھ سکتے ہو" ناول کا ہیرو حسن اور ہیروئن زمرد ہے۔ ان کے علاوہ شیخ علی وجودی اہم کردار ہے۔

جنت کی تلاش: ناول کا موضوع "جدید دور کا انتشار پسند انسان" ہے۔ ساری کہانی احتل کے گرد گھومتی ہے۔ دیگر کرداروں میں سمیع، احتل کا بھائی، عاطف، دوست وسیم شامل ہیں۔

امراؤ جان ادا: لکھنو کے زوال پزیر معاشرت موضوع ہے۔ یہ ایک طوائف کی کہانی ہے۔ جو حضرت [illegible] ہے۔ امراؤ جان مرکزی کردار ہے۔ دیگر کرداروں میں گوہر مرزا، فیض علی، نواب سلطان، اور [illegible]

آگ کا دریا: ناول کا موضوع وقت ہے۔ جو تین لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ [illegible] زمانے سے برصغیر کی تقسیم تک انسانی سماج ان کے سانحات اور انسان ماحول کو

(کم امیز) کشور ناہید (گرل فرینڈ) اور پطرس بخاری 'صحیح بخاری' شامل ہیں۔

پودے:

کرشن چندر کا رپورتاژ ہے جو ۱۹۴۵ کی ترقی پسند ادیبوں کی کل ہند ادبی کانفرنس کی روداد ہے۔ بیانیہ ہیت میں ہے۔ اس میں خاکہ نگاری بھی ہے۔ رجائیت اور کلائمکس بھی۔ ادب برائے زندگی کے نظریے کی پرچار کی گئی ہے۔ جو ترقی پسندوں کا خاصہ تھا۔ مقصدیت جو ترقی پسندوں کا منشور تھا۔ اس رپورتاژ میں نمایاں ہے۔ ادیبوں کی منافقتوں اور معاشرتی تضادات کی خوب خبر لی ہے۔ کرشن چندر کے سامنے رپورتاژ کا کوئی نمونہ یا ماڈل نہیں تھا۔ پھر بھی تمام واقعات کو ایک کڑی میں کو دسمو دیے گئے۔ اسلوب شاعرانہ۔ رومانوی اور حقیقت پسندانہ ہے۔ مزاح اور طنز بھی شامل ہے۔ ''پودے'' کا دیباچہ اس رپورتاژ کا اہم حصہ ہے۔ اس میں ترقی پسند تحریک کے دس سالہ دور ۴۶-۱۹۳۶ تک سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں رپورتاژ کی وضاحت اور اپنے اسلوب کی تعریف بھی کی ہے۔ خاکوں میں ابراہیم جلیس، سجاد ظہیر اور سردار جعفری کے خاکے شامل ہیں۔

خامہ بگوش کے قلم سے:

مشفق خواجہ کے فکاہیہ کالموں کا مجموعہ ہے۔ ان کالموں کا سن تالیف ۹۰-۱۹۷۴ ہے۔ پہلا مزاح نگار ہے جس نے ادب، ادیب اور ادبی معاشرتی ناہمواریوں کو طنز و مزاح کا مستقل موضوع بنایا ہے۔ ان کالموں میں طنز و مزاح کے علاوہ دیگر لوازمات تحریف معنوی، تضحیک اور لطیفہ گوئی کا بھی سہارا لیا ہے۔ مرزا غالب کا انداز طنز نمایاں ہے۔ مشفق خواجہ کا مزاحیہ کردار استاد لاغر مراد آبادی لکھنوی تہذیب کا پردہ ہے۔ مصنفین، نقادوں اور دیباچہ نگاروں کی خوب خبر لی ہے جن شعرا کو طنز کا نشانہ بنایا ہے ان میں فراز، حبیب جالب، منیر نیازی، فیض اور بشیر بدر وغیرہ شامل ہیں۔

پڑے گر پار:
یوسفی کا بہترین مضمون ہے۔اس میں یوسفی نے اپنی آپ بیتی کو جگ بیتی بنا کر پیش کیا ہے۔

سات سمندر پار:
بیگم اختر ریاض الدین کا سفرنامہ ہے۔کتاب میں ۱۵ ابواب ہیں۔سات ملکوں لندن، قاہرہ، نیویارک، نیپلز، لینن گراڈ خاص کر جاپان اور روس کا سفرنامہ ہے۔مرقع نگاری جمالیات، غیر جانبدارانہ نظر اور منفرد، اسلوب اہم خصوصیات ہیں۔

لبیک از ممتاز مفتی:
۲۳ ابواب پر مشتمل ممتاز مفتی کا بہ یک وقت سفرنامہ، رپورتاژ اور آپ بیتی ہے۔اس کے علاوہ افسانوی طرز کی وجہ سے داستان بھی ہے اور حج نامہ بھی۔وحدت حقیقت، عشق حقیقی، فلسفہ اور تصوف کو خاص موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

آواز دوست:
دو مضامین پر مشتمل مختار مسعود کی تصنیف ہے۔پہلے مضمون کا نام مینار پاکستان ہے۔برصغیر کے مسلمانوں کا ۱۱۵ سالہ تاریخ پر مبنی ہے۔دوسرے مضمون کا نام قحط الرجال (عظیم لوگوں کی کمی) ہے۔اس میں جن عظیم ہستیوں کے تاثرات ہیں۔ان میں قائداعظم، حسرت موہانی اور ظفر علی خان وغیرہ شامل ہیں۔ان شخصیات کے دستخط مختار مسعود نے آٹوگراف البم میں لیے تھے۔کتاب کا انتساب "پرکاہ و پارہ سنگ" کے نام سے ہے۔یہ ایک خاکہ نما کتاب بھی ہے۔مصنف سب سے زیادہ متاثر قائداعظم سے نظر آ رہے ہیں۔ناپسندیدہ لوگوں میں ابوالکلام آزاد، آغا خان، اور ملکہ الزبتھ شامل ہیں۔

چوری سے یاری تک:
۱۲۵ انشائیوں پر مشتمل ڈاکٹر وزیر آغا کی تصنیف ہے۔چھنا، سیاح، طوطا پالنا، دیوار اور معصوم لوگ مشہور انشائیے ہیں۔انسانی نفسیات اس تصنیف کی اہم خوبی ہے۔غیر رسمی انداز، عدم تکمیل کا احساس، ارضیت پرستی بات سے بات پیدا کرنا، اختصار اور موازنہ اہم موضوعات ہیں۔

البم:
۲۱ خاکوں پر مشتمل فارغ بخاری کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔حق گوئی و بے باکی اہم خوبی ہے۔زیادہ تر خاکے تاثراتی اور کرداری ہیں۔سرسری معلوماتی تو سیلی خاکے بھی ہیں۔مشہور خاکوں میں فراز (دشمن جاں) فیض

(پرچہ چہارم)

پطرس بخاری کا مزاح:

پطرس کے مزاح کا سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فطری ہے اکتسابی نہیں۔ پطرس کے ہاں آمد ہے آورد نہیں، صورت واقعہ اور پیروڈی دو بنیادی ہتھیار ہیں۔ ان کا اسلوب ہی ان کے مزاح کا بنیادی ہتھیار ہے۔ پطرس لفظوں ں کے الٹ ہیر پھیر کے قائل نہیں۔ نہ روایتی کردار نہ مضحکہ خیز واقعات، بس ایک منفرد اسلوب ہے۔ جس نے پطرس کی مزاح کو فطری بنایا ہے۔ پطرس کی کل تحریروں میں مغرب کا اثر زیادہ ہے۔ موضوعات کا تنوع ہے۔ کرداروں کا خوب نفسیاتی مطالعہ پطرس کا خاصہ ہے۔ شخصیت کی کارفرمائی موجود ہے یعنی اپنے آپ کو مزاح کا نشانہ بناتے ہوئے لطف محسوس کرتا ہے۔ پطرس کے ہاں طنز نہ ہونے کے برابر ہے۔ مزاح سے خوب کام لیا ہے۔

صورت واقعہ عملی یا روایتی مذاق اور پطرس:

صورت واقعہ، عملی یا روایتی مذاق سے وجود میں آتی ہے۔ پطرس صورت واقعہ کے استعمال میں توقعات کو خوبی سے ابھار کر پھر مسخ کر دیتے ہیں۔ جو شعوری کاوش نہیں بلکہ فطری ہے یعنی پطرس واقعات کی کڑیوں کو اس طرح مربوط کرتا ہے کہ شعوری کوشش معلوم نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ کرداروں کی فطری ناہمواریوں سے مزاح پیدا کرنا پطرس کے صورت واقعہ کی اہم خوبی ہے جو کسی تحریک یا شعوری کوشش نہیں ہو سکتی "مرید پور کا پیر" اور "مرحوم کی یاد میں" اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

مضامین پطرس:

اس کتاب میں کل گیارہ مضامین ہیں۔

سینما کا عشق۔

اس مضمون میں پطرس نے سینما دیکھنے والوں کی حرکات اور نفسیات کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ مرزا کی کاہلی اور غفلت کو نشانہ بنایا ہے۔ مضمون میں روانی اور تسلسل ہے۔

میبل اور میں:

اس مضمون میں پطرس نے اپنا خوب تمسخر اڑایا ہے۔ شخصیت کی کارفرمائی ہے۔ معاشرتی منافقتوں اور

چپا، ٹھاکر اور ٹھکرائن شامل ہیں۔

احمد ندیم قاسمی:

کپاس کا پھول:

وطن اور انسان کی دوستی افسانے کا موضوع ہے۔ ۱۹۶۵ کی جنگ کے اثرات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ افسانہ وطن کی حفاظت کی علامت ہے۔ مائی تاجو اور راحتاں مرکزی کردار ہیں۔

گنڈاسا:

سماج اور معاشرے کے تلخ حقائق اور انتقام کی آگ اس افسانہ کا موضوع ہے۔ مولے، رنگے اور قادرے مرکزی کردار ہیں۔

الحمدللہ:

مساجد کے مولویوں اور ان کی اولاد کی حیثیت، جہیز کی لعنت اور انسان دوستی افسانے کا موضوع ہے۔ مولوی ابوالبرکات اور چوہدری فتح داد مرکزی کردار ہیں۔

سعادت حسن منٹو:

ٹوبہ ٹیک سنگھ:

تقسیم ہند کے بعد پاکستان کو پیش آنے والے تلخ حقائق یعنی فسادات تقسیم ہند اور تحریک آزادی افسانے کا موضوع ہے۔ کرداروں میں امرت کور، روپ کور، ٹوبہ ٹیک سنگھ اور محمد علی شامل ہیں۔

نیا قانون:

انگریزوں سے آزادی افسانے کا موضوع ہے۔ مرکزی کردار منگو کوچوان ہے۔ جو برصغیر کے کروڑوں غریبوں کا نمائندہ ہے۔

ممد بھائی:

معاشرے کے دوغلے پن اور جبر کے خاتمے کے لیے شریف لوگوں کا بدمعاش بن جانا افسانے کا موضوع ہے۔ کرداروں میں ممد بھائی، عاشق حسین، راوی اور ایک مسلمان رقاصہ شامل ہیں۔

نوٹ: باعمل صوفی نہ ہونے کے باوجود میر کے کلام میں ایک صاف دل صوفی اور تصوف کے گہرے اثرات موجود ہیں جو قاری انہیں صوفی شاعر کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ یعنی میر نہ باعمل صوفی تھے اور نہ رسمی و روایتی بلکہ درمیان والا مرحلہ میں تھے۔

۷) میر کی شاعری کا موضوع:

میر باقاعدہ کسی فلسفے یا نظریے کا قائل نہیں۔ اس لیے جو بات یا تجربہ ان کے دل پر اثر کرتا ہے۔ موضوع سخن بناتا ہے۔ خاص کر عشق و عاشقی کے موضوعات، اس لیے میر کی شاعری میں ہر دل کو اپنی کہانی سنائی دیتی ہے۔

؎ یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
؎ نادان پھر وہ جی سے بھلا یا نہ جائے گا
؎ نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

۸) میر نے آپ بیتی کو جگ بیتی بنایا:

میر کے پاس نہ کوئی ٹھوس فلسفہ ہے نہ نظریہ، بس جو دل پے بیتا وہی بیان کیا۔ جو تجربہ خاص کر عشق و عاشقی کا اُس کو بھی عوام کی زبان میں پیش کیا۔ اس لیے ان کی آپ بیتی جگ بیتی معلوم ہوتی ہے۔

؎ دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا
ع ناز کی اس کے لب کی کیا کہیے
؎ اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا

۹) "مرض عشق" کے بارے میں میر کا شعر:

؎ معالج کی نہیں تقصیر ہرگز
مرض ہی عاشقی کا لادوا تھا

۱۰) میر کا زبان و اسلوب:

میر نے سادہ بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ جو ہر ایک کو اپنی آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ میر کی

میر نے غزل میں فکر کا عنصر کیوں داخل کیا؟

۴) میر نے غزل میں فکر کا عنصر ... ہر بڑا شاعر زندگی کی حقیقتوں پر غور کرتا ہے اور انھیں شعر میں پیش کرنے سے پہلے جذبہ اور احساس کے ساتھ ملا کر پیش کرتا ہے اور یہی کام میر نے خوب کیا۔

۵) میر کی فکری شاعری کا منبع یا ماخذ:

میر کی فکری شاعری کا منبع تصوف ہے۔ جس نے ان کی شاعری کو جلا بخشی ہے۔ اور اسی تصوف کے زیر اثر میر نے اپنی غزلوں میں ایسے خیالات کی ترجمانی کی ہے جن کو ایک فلسفے کے تحت رکھا جا سکتا ہے۔ اگر ان خیالات کو تصوف سے الگ کیا جائے۔ تو بے معنی ہو جائے گے۔

ے کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

ے سر سری تم جہاں سے گزرے
ورنہ ہر جا جہاں دیگر تھا

ے الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خدا ہوتے

۶) میر اور صوفیانہ شاعری:

اگرچہ میر باعمل صوفی نہیں تھے مگر اسے رسمی اور محض روایتی طور پر بھی قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے میر کے ذہن و فکری تہذیب پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ وہ زندگی عام انسان کی طرح نہیں بلکہ ایک باعمل صوفی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کی نظر صاف دل صوفی کی نظر ہے۔ باپ اور چچا صوفیانہ مزاج کے تھے۔ اسی ماحول میں میر نے پرورش پائی۔ بھلا وہ اس رنگ کیسے الگ رہ سکتے تھے۔ اس رنگ نے میر کے فکر کو جلا بخشی۔ اور میر کو میر بنایا۔ جب اگر وہ شاعر نہ ہوتے تب بھی صوفی ہوتے۔ وہ فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ جو اسے فارسی شعرا سے وراثت کے طور پر ملا تھا۔

ع کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات

ے مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ع مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے

ع سر سری تم جہاں سے گزرے

زبان میں دلی کے عوام الناس کا لہجہ اور تہذیبی نقوش شامل ہیں۔ ورڈز ورتھ شاعری کے لیے عام بول چال کی
زبان پسند کرتا ہے۔ میر اس کے پیروکار ہیں، جس پہ میر کو ناز بھی ہیں۔

ع پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
ع باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا

(۵) میر کی زبان میں سادگی و سلاست:

ـ پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ع نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
ع میر ان نیم باز آنکھوں میں

(۶) میر کی زبان کی خصوصیات:

منفرد لہجہ:

ع الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے بندگی کی خواہش

ترنم اور موسیقیت:

ع پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

ـ یا روئے یا رلایا اپنی تو یوں ہی گزری
کیا ذکر ہم صفیراں یارانِ شاد ماں کا

سوز و گداز:

ـ سرہانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

ـ مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا

ـ مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

پیکر تراشی:

ع کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات

فارسی تراکیب:

ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا

۱۳) میرؔ کے کلام میں تشبیہ و استعارہ کی مثالیں:

ع نازکی اس کے لب کی کیا کہیے

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہوں
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

ع میر ان نیم باز آنکھوں میں

۱۴) مذہب عشق کے حوالے سے میرؔ نے کیا کہا ہے۔

سخت کافر تھا جن نے پہلے میرؔ
مذہب عشق اختیار کیا

۱) میرؔ کے ہاں طنز و نشریت کی مثالیں:

میرؔ کا طنز ان کی طبیعت کا آئینہ ہے۔ ان کی شخصیت ان میں نمایاں ہوتا ہے۔ ان کے طنز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان عام تجربے سے گزر چکے ہیں۔ محض بے تکلفی ان کے طنز سے نہیں ٹپکتی۔ ان کے طنز میں غالبؔ کی [illegible] ایک عجیب پر کیف نرمی ہوتی ہے۔

ہوگا کسوں دیوار کے سائے میں پڑا میرؔ
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی

عشق کرتے ہیں اس پری رو سے
میر صاحب بھی کیا دوانے ہیں

حال بدگفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی

میر کی شاعرانہ تعلّی:

- جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
  تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا
- مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
  تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
- سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
  مستند ہے میرا فرمایا ہوا
- گفتگو ناقصوں سے ہے ورنہ
  میر جی بھی کمال رکھتے ہیں
- پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
  مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں
- گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر
  یہ ہماری زبان ہے پیارے
- ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو
  چاہیے اہل سخن میر کو استاد کریں

اردو غزل میں پہلی بار فکر کا عنصر:

میر تقی میر نے غزل میں پہلی بار جذبہ اور احساس کے ساتھ فکر کو ملا کر اعلیٰ درجے کی شاعری کا [illegible]

- جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
  کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
- آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
  اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

(یہ غزل فکر سے بھرپور ہے)

۱۶) میر کا تصورِ غم:

میر کا غم تخیلی اور فکری ہے۔ دنیا کا غم ہے آفاقی غم ہے۔ یہ قنوطیت پیدا نہیں کرتا۔ ان کا غم ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ حالات کا مقابلہ کرنے کا گر سکھاتے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے میر کی شاعری میں زندگی اور تحرک نظر آتا ہے۔ شکستگی کا احساس نہیں ہوتا میر غم سے سرشار ہو کر اسے سرور اور نشاط بنا دیتے ہیں۔ بقول نور الحسن ہاشمی "میر غم زندگی کو ہمارے لیے راحت بنا دیتے ہیں۔ وہ درد کو ایک سرور اور الم کو ایک نشاط بنا دیتے" میر کے کلام میں دردمندی غالب ہے اور جس شاعر کے ہاں دردمندی غالب ہو وہ غم کو اپنے دل و دماغ پر کیسے طاری کر سکتا ہے۔

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات
اب یہی روزگار ہے اپنا

میر کی شاعری میں دردمندی:

میر کی دردمندی ان کے فلسفۂ غم کا دوسرا نام ہے۔ اگرچہ لفظ فلسفہ انہوں نے استعمال ہی نہیں کیا مگر دردمندی کی مراد ہے۔ دردمندی سے مراد زندگی کی تلخ حقائق کا اعتراف کرنا، ادراک کرنا اور مقدور بھر ان سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرنے کا نام ہے۔ دردمندی زندگی کے تضادات سے جنم لیتی ہے۔ دردمندی کا سرچشمہ میر کی شخصی اور ذہنی خصوصیت ہے۔ اور یہ خصوصیت ان سے قنوطیت کا داغ دھو دیتا ہے۔

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لوہو آتا ہے جب نہیں آتا

آب ہی کی سی طرح ٹھیس لگی پھوٹ بہے
دردمندی میں گئی ساری جوانی اس کی

دردمندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ
قدم قدم پہ تھی یاں جائے نالہ و فریاد

ے دل خستہ لوہو جو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
کبھو سوز سینہ سے داغ تھا کبھو درد و غم سے فگار تھا

۱۸) میر کے دردمندی کے محرکات:

میر کا دور شدید ابتری اور انتشار کا دور تھا۔ زندگی کی مختلف اقدار کی بے آبروئی ہو رہی تھی۔ انسان کی خون کی ارزانی، دنیا کی بے ثباتی اور خاص کر دہلی کی تباہی نے انسانوں کو بے حد متاثر کیا تھا۔ میر بھی اس تباہ حال معاشرے کے ایک رکن تھے اور دہلی کا سہاگ کئی بار اجڑتے دیکھا تھا۔ جس کے اثرات میر کے دل و دماغ پر نقش ہو گئے جو انہوں نے شدت سے محسوس کیے۔

ع پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
ع دل کی ویرانی کا کیا مذکور
ے روشن ہے اس طرح دل ویراں میں داغ ایک
اجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک
ع شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جن کی
ے دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
ے کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

۱۹) میر اور قنوطیت یا میر کی بلند حوصلگی:

میر قنوطی شاعر نہیں تھے۔ ان کے بلند حوصلگی کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں میر کو زندگی سے بے زار شاعر نہیں کہا جا سکتا۔ ان کا غم بعد میں آنے والے شاعر فانی سے مختلف ہے۔ ان کا غم سودا سے بھی مختلف ہے۔ ان کا غم ایک مہذب اور دردمند آدمی کا غم ہے۔ غم والم میں میر بے حوصلہ نہیں ہوتے۔ میر کا غم سپاہیانہ دم خم رکھتے ہیں۔ ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ وہ رویہ جسے اہل تذکرہ بد دماغی کہتے ہیں۔ وہ دراصل وہ احتجاجی روش ہے جو ہر سپاہی کا شیوہ ہے۔

بہ قول مجنوں گورکھپوری "میر غم زندگی کو ہمارے لیے راحت بنا دیتا ہے۔ وہ درد کو ایک سرور اور الم کو ایک نشاط بنا دیتے ہیں"۔ جس شاعر کے ہاں دردمندی غالب ہو وہ قنوطی کیسے ہو سکتا ہے۔ دردمندی میر کے کلام کا صرف ہے۔

ہاتھ رکھے ہاتھ پہ بیٹھے وہ کیا ہے خبر
چلے کو ہے کارواں چلو تو کیا چاہتے

مہر کہیں ہو تم کالی اللہ رے
نام خدا ہو جواں چلو تو کیا چاہتے

عشق کو حوصلہ ہے شرط ارنہ
بات کا کس کو اصب نہیں آتا

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میر معلوم ہے قلندر تھا

بہت آرزو تھی گلی کی تری
سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

ع یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
ع روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات
ع ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے

۱۰) میر کی شاعری میں لالہ کاری:

لالہ کاری سے مراد لہو اور خون کا ذکر ہے جو میر کی شاعری کی نمایاں علامت ہے۔ دلی پر جو قیامت ٹوٹی میر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور تمام خونی واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ میر کی شاعری پر خون کے بے شمار مثالیں ہیں۔

ع دل خستہ لہو جو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
ع آنسو آنکھوں میں کب نہیں آتا

کل دن سلوک و داغ کا مرے در پہ دل زار تھا
کبھو درد تھا کبھو داغ تھا کبھو زخم تھا کبھو وار تھا

۱۱) میر کی شاعری میں سیاسی حوالے:

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جن کی
انہی کی آنکھوں میں پھرتے سلائیاں دیکھیں

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

ع دل کی ویرانی کا کیا مذکور
ع کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
ع سرہانے میر کے کوئی نہ بولو

(۱) میر کا لسانی شعور:
میر کے ہاں تین طرح کے انداز ہیں۔
(۱) کلام میں فارسیت کا رنگ غالب ہے۔(۲) ہندی امیز رنگ ہے۔(۳) اردوئے معلی کی
... میر کا شیوہ گفتار ہے۔اس میں سلاست، فصاحت، روانی اور بلاغت موجود ہے۔

(۲) میر کا تصورِ عشق:
میر کا عشق فقیرانہ ہے، فطری ہے۔ان میں صداقت اور خلوص ہے۔مجازی ہے۔ہمیں عشق کے آداب
... محبوب کی عزت وتکریم کا درس دیتا ہے۔اس میں اثر اور درد موجود ہے۔

دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

پاس ناموس عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

... عشق کا انجام ہمیشہ الیمانی اور دردناک ہوتا ہے پھر بھی میر کا اس سے عشق ہے۔اس عشق سے
... زندہ و سبز ہے۔میر کے خیال میں زندگی کی ساری گہما گہمی عشق کی وجہ سے ہے۔عشق نہ ہوتا تو یہ
... بے کار، خاموش، بے حرکت اور بے لذت ہوتا۔

محبت ہی اس کارخانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے

ہم طورِ عشق سے واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

عمرو عیار ایک مشہور کردار:

عمرو عیار، داستان، طلسم ہوش ربا اور داستان امیر حمزہ والوں کا کردار ہے۔ یہ ایک سک بند کردار ہے جو حق کے لیے لڑتا ہے اور باطل کو شکست دیتا ہے اور قاری سے داد وصول کرتا ہے۔ یہ چالاک اور ذہین ہوتا ہے اور ہیرو کا قابل اعتبار ساتھی بھی۔ یہ ایک افسانوی کردار بھی ہے۔ ہمیشہ سے بچوں کا پسندیدہ رہا ہے۔ طلسم ہوش ربا میں ایک جاسوس ہے۔ عمرو عیار کی زنبیل محاورے کی طرح مستعمل ہو چکا ہے۔ مثلاً: دراصل ہمارے امرا اور سیاست دان ہوش زر اور ہوس اقتدار میں عمرو عیار کی زنبیل سے مشابہت رکھتے ہیں۔ عمرو عیار کے پاس ایک زنبیل ہوتی تھی جس سے وہ جو چاہتا کر سکتا تھا۔

سک بند کردار سے مراد:

وہ کردار جو جہانی یعنی اس دنیا کا آدمی ہوتا ہے کی بعض اصناف کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو گئے ہوں کہ قاری ان اصناف میں ایسے کرداروں کی توقع کرنے لگتا ہے اور بالعموم اس کی یہ توقع پوری بھی ہو جاتی ہے۔ عمرو عیار ایک زبردست سک بند کردار ہے مختصر وہ کردار جو پکا، سچا، معیاری اور حق کے لیے لڑنے والا کردار یعنی روایتی، چالو اور رائج وغیرہ۔

کلیم الدین احمد ایک وہابی نقاد، وہابی سے مراد:

یہ لفظ وہاب سے نکلا ہے۔ وہابی تشدید "یا" کے بغیر مستعمل ہے۔ اس سے مراد شیخ عبدالوہاب نجدی کا فرقہ ہے۔ نجدی سعودی عرب کے علاقے نجد میں پیدا ہوئے۔ اعتقادات میں اہل سنت والجماعت کے مسلک سے منسلک تھے۔ اصولوں اور پیروی میں حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے مقلد تھے مگر باقی آئمہ مجتہدین امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی، اور امام مالکؒ میں سے کسی کے مذہب کے مطابق تقلید کرنے والوں پر بھی اعتراض نہ کرتے تھے نہ تقلید آئمہ کو ضلالت و گمراہی قرار دیتے تھے۔ اور اس پر علمائے دیوبند فتوے لگا کر اسے اس کے نام کی نسبت سے وہابی قرار دیا چونکہ کلیم الدین احمد بھی کسی قسم کی تنقید اور نقادوں کے اصولوں کی تقلید کے سخت مخالف تھے اور تمام تنقیدی اصولوں کو پس پردہ ڈال کر اپنے لیے ایک الگ راستہ اپنایا جو عبدالوہاب نجدی نے اپنایا تھا۔ اسی تناظر میں محمد اسلام نے اسے عبدالوہاب کے فرقے کا یعنی وہابی کہا ہے۔

سوانگ اور فارس میں فرق:

سوانگ ایک مختصر مزاحیہ تمثیل ہے۔ فارس ایک قسم عامیانہ تفریحی ڈراما ہے۔ سوانگ میں ادبی مذاق اور مبالغہ آمیز بذلہ سنجی اور ظرافت کا اظہار ہوتا ہے جب کہ فارس میں عامیانہ تفریح کے لیے مضحکہ خیز واقعات اور

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزش درونہ سے جلتا ہے جوں چراغ

ع مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
ع یا روئے یا رلایا اپنی تو یوں ہی گزری
ع سرہانے میر کے کوئی نہ بولو
ع مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
ع کبھو درد تھا کبھو داغ تھا کبھو زخم تھا کبھو وار تھا

(۳۱) میر کی شاعری میں اخلاقی مضامین:

ع جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
(یہ پوری غزل اخلاقی مضامین سے بھری ہے)

ع الہی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے بندگی خواہش
ع کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
ع مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے

(۳۲) میر کا ضرب المثل شعر:

راہ دورِ عشق میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا

(۳۳) کلیات میر کا بہترین شرح:

شمس الرحمن فاروقی نے چار جلدوں میں لکھا۔

(۳۴) میر کو کس سے عشق ہو گیا تھا:

میر کو اپنے عزیزوں میں ایک لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ چونکہ وہ مشرقی روایات کی پاسداری کا زمانہ تو محبوب سے ملنا ناممکن تھا اسی وجہ سے زمانے کے ہاتھوں خوار و ذلیل ہوئے۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

ع سارے عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا

۴۷) میر کا تصورِ محبوب:
گوشت پوست انسان ہے۔ ماورائی اور تخیلاتی نہیں ہے۔ تہذیب یافتہ انسان ہے۔ حسن کا منبع ہے، روشنی کی طرح شفاف ہے۔ جسم، خوشبو اور رنگ و بو کا پیکر ہے۔ وہی نظافت سے لطیف (پاک) اور حسن محض ہے۔

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

ان گل رخوں کی قامت لہکے ہے یوں ہوا میں
جس رنگ سے لچکتی پھولوں کی ڈالیاں ہیں

نوٹ: میر نے ایک گوشت پوست زندہ و متحرک محبوب سے عشق نہیں بلکہ پورا عشق کیا تھا۔ اور یہی محبوب ان کے کلام کا حصہ ہے۔

۴۸) میر کا تصورِ حسن:
ماورائی اور تصوراتی نہیں ہے ایک گوشت پوست انسان کا حسن ہے۔ میر نے اس حوالے سے اعتدال پسندی سے کام لیا ہے۔ اس میں مبالغہ نہیں ہے۔ بڑا رنگین اور دل آویز اور لطیف تصورِ حسن ہے۔ بلا کی صحت مندی ہے، غضب کا رچاؤ ہے۔ تہذیب یافتہ انسان کا احساسِ حسن اور ذوقِ جمال ہے۔

ع نازکی اس کے لب کی کیا کہیے

میر کا تصورِ حسن

۴۹) میر کو غزل کا بادشاہ کس نے کہا ہے:
رشید احمد صدیقی نے "غزل شاعری کی آبرو اور میر غزل کے بادشاہ ہیں"

۵۰) میر کو خدائے سخن کس نے کہا ہے:
ناقدین اور شعرائے متاخرین نے

۵۱) اصلاحِ زبان کے حوالے سے میر کی خدمات:
اپنی کتاب "نکات الشعراء" میں اصلاحِ زبان کی کوشش کی ہے۔

۵۲) میر کی زبان نے اردو گرامر بھی متاثر کیا ہے۔ کیسے:
میر نے بعض مذکر الفاظ کو مونث اور مونث کو مذکر باندھا ہے۔ مثلاً جراحت، جان، خلش کو مذکر اور تواب

بگزار کو مونث باندھا ہے۔

۵۳) تغزل کے حوالے سے میر کا کوئی شعر:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

۵۴) بے خودی کے حوالے سے میر کا شعر:

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو
دیر سے انتظار ہے اپنا

۵۵) میر کو کو پس بعائب پست کہا گیا ہے۔ یا میر کی شاعری میں ناہمواری:

میر کی شاعری میں ناہمواری موجود ہے۔ ناہمواری سے مراد یہ ہے کہ میر کے ہاں نہایت بلند اور پست اشعار ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ میر کی کلیات رطب و یابس (تازگی اور خشکی) سے پر ہے۔ جس کی بابت مولانا آزردہ کی رائے ہے کہ "پستش بغایت پست و بلندش بغایت بلند است"

۵۶) میر کی شاعری کی بنیادی اکائی:

عشق و غم

باب نمبر3

مرزا اسد اللہ خان غالب

۱) غالب کی شاعری کی سب سے اہم خصوصیت:

مرزا غالب کی شاعری کی سب سے اہم خوبی "فکر و خیال" ہے۔ غالب سے پہلے تک شاعری جذبات کی حد تک محدود تھی۔ میر نے غزل میں فکر کے عنصر کو داخل کیا اور غالب نے خوب پروان چڑھایا۔ غالب نے غزل کو سوچنا سکھایا۔ زندگی کے مسائل کو غزل کو موضوع بنایا۔ شاعری دو طرح کی ہوتی ہے اچھی شاعری عظیم شاعری" وہ شاعری جس سے صرف لطف حاصل ہو اچھی شاعری اور وہ شاعری جو لطف کے ساتھ فکر کو بھی پیدا کرے، عظیم شاعری ہوتی ہے۔ غالب عظیم شاعری کے مالک ہیں۔ اس لیے مرزا نے فرمایا تھا۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

۲) مرزا غالب جدت کے چند حوالے:

(۱) ۔ کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

(۲) ۔ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

(۳) ۔ تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

(۴) ۔ عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچئے

۳) غالب ایک فلسفی شاعر:

جی نہیں۔ وہ شاعر فلسفی ہے نہ کہ فلسفی شاعر۔ فلسفی شاعر وہ ہوتا ہے جن کے پاس ایک مربوط فلسفہ ہو جیسے اقبالؒ وغیرہ اور شاعر فلسفی وہ ہوتا ہے جو باقاعدہ فلسفہ نہیں رکھتے مگر ان کے کلام میں فلسفیانہ اشعار موجود ہوں۔ لہذا غالب شاعر فلسفی ہے۔ کیونکہ وہ ایک فلسفی ذہن کے مالک تھے مگر ان کے پاس کوئی ٹھوس فلسفہ نہیں تھا۔

۔ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

۔ سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے

ع نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

۴) غالب کا انداز فکر قنوطی ہے:

ان تمام محرمیوں اور دکھوں کے باوجود مرزا کا انداز فکر قنوطی نہیں چنانچہ قدم قدم پر ان کے ہاں یہ احساس ہوتا ہے کہ زندگی خوشی کا نام ہے۔ زندگی ایک نعمت ہے۔ اس کا اعتراف غالب نے اپنے بعض خطوط میں بھی کیا ہے۔ مرزا زندگی کا حقیقت پسندانہ تصور رکھتے ہیں۔

۔ نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

ع
نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

۵) مرزا غالب کی زندگی محرومیوں کی زنجیر ہے:
بچپن میں باپ کی موت، چچا کی شفقت سے محرومی، تیرہ سال کی ناپختہ عمر میں شادی کا بندھن، بیوی کے مزاج کا شدید اختلاف، قرضوں کا بوجھ، دہلی کی تباہی و بربادی، ان سب نے غالب کو محرومیوں کا شاعر بنادیا تھا۔

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

۶) طنز، شوخی و ظرافت غالب کی شخصیت کا خاصہ ہے:
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

۷) زندہ دلی اور خوش طبعی غالب کی شخصیت کا خاصہ ہے:
کہاں مے خانے کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

۸) غالب کی پیکر تراشی اور تصویر کشی:
قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

۹) مرزا کے کلام پر فارسی کے اثرات نمایاں ہے:
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں

۱۰) مرزا کے سادہ انداز بیان:
ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ـ میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

۱۱) غالب کے ہاں فارسی اور اردو کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے:

★ ـ آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

★ ـ ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروں گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

۱۲) غالب کے ہاں صوتی آہنگ کے ایک حوالہ:

ـ ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

ع غم عشق گر نہ ہوتا غم روز گار ہوتا

۱۳) مرزا غالب واستعارہ کے بادشاہ ہیں:

ـ دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

ـ جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

ع پُر ہوں میں شکوے سے یوں رگ سے جیسے باجا

۱۴) غالب کے ہاں استدلالی انداز بیان:

ـ دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ع ابن مریم ہوا کرے کوئی

ع جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

ـ رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

۱۵) حکیم آغا جان عیش نے غالب کی مشکل پسندی کے بارے میں ایک قطعہ لکھا:

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

۱۶) غالب نے "قول محال" کا خوب استعمال:

قول محال سے مراد یہ ہے کہ کسی حقیقت کا اظہار اس طرح کیا جائے کہ بہ ظاہر مفہوم عام رائے کے الٹ معلوم ہو مگر غور کریں تو صحیح مفہوم واضح ہو۔ یہ ایک ذہنی ریاضت ہے۔ غالب نے اس کا خوب استعمال کیا ہے۔

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

۱۷) غالب کے ہاں تشکک پسندی:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

ع زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ع ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن

۱۸) حالی نے غالب کی شاعری میں معانی دار پہلو کا بڑے زور وشور کے ساتھ ذکر کیا ہے:

غالب کے کلام میں بے شمار اشعار ایسے ہیں جن کی فلسفیانہ، سیاسی اور شخصی تفسیر ہم بہ یک وقت کر سکتے ہیں۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

ع ابن مریم ہوا کرے کوئی
ع ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

۱۹) مرزا کے کلام میں رمز وایمائیت کی نشاندہی:

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

۲۰) غالب کی شاعری میں نکتہ آفرینی اور لطافت خیال:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

۲۱) غالب کے ہاں تصوف کے حوالے:

جواب۔ غالب کوئی باقاعدہ صوفی شاعر نہ تھے۔ پھر بھی ان کی شاعری میں تصوف سے [illegible] ہیں۔ غالب نے تصوف کو محض رسمی طور پر قبول کیا۔

ع نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ع جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
ع اسے کون دیکھ سکتا ہے کہ یگانہ ہے وہ یکتا

۲۲) مرزا کے کلام میں "انانیت" کے حوالے:

ع ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز گوئے خوش گفتار

۲۳) مرزا کے کلام میں تہہ داری:

ع کوئی ویرانی سی ویرانی ہے

۲۴) مرزا غالب کے اسلوب کے بارے میں:

[illegible] ہے۔

ع [illegible]
ع [illegible]
ع [illegible]

۲۵) [illegible]

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

ع قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہے

(سوال نمبر ۲ میں مزید حوالے اور وضاحت ملاحظہ کریں)

(۳) غالب کا تصور غم:

غالب کا غم روایت سے ہٹ کر ہے۔ نواب زادوں کا غم ہے۔ غالب کا غم فلسفیانہ ہے۔ ان میں مرتے دم تک جینے کا حوصلہ ہے اس میں رجائیت ہے۔ اپنے اوپر غم کو حاوی نہیں ہونے دیتا۔ الغرض غالب غم اشنا ہیں غم سے نڈھال ہو کر حالات کا مقابلہ کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اس سے تنگ کر وہ دنیا کی آرزو ترک نہیں کرتے اور نہ ذہن کو غم پرستی کے حوالے کرتے ہیں۔ وہ نہ آتش ہے نہ میر نہ فانی۔

نوٹ۔ اس وجہ سے غالب رجائیت کے شاعر بھی ہیں۔

ع رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

ع قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہے

ع نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

ع نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے

؎ رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

(۴) غالب کا تصور عشق:

غالب پرانے اور افلاطونی تصور عشق کے خلاف ہیں۔ غالب کے ہاں عشق کی روایتی عاجزی اور مسکینی کے برخلاف ایک جارحانہ انداز پایا جاتا ہے۔ مرزا کے تصور عشق میں نرگسیت (خود پرستی) ہے۔ انانیت ہے۔ ان کا عشق امیرانہ ہے۔ نہ جمالیت کے قریب ہے اور جلبیت خاصا دور ہے۔ اس میں عاشق کا خاص مقام ہے مخصوص شان ہے۔ جسمانی پہلو کی بجائے نفسیاتی انداز پر زور دیتے ہیں۔ الغرض مرزا کا تصور عشق ان کی جدت فکر کا شاہد ہے۔

ع عجز و نیاز سے تو وہ آیا نہ راہ پر

؎ لے تو لوں سوتے میں اس کے پانو کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہوجائے گا

؎ وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

۲۸) غالب کا تصورِ محبوب:

ایک تو غالب کے محبوب کی ذات میں وہ تمام خصوصیات جمع ہوگئی ہیں جو ایک روایتی محبوب کی خصوصیات ہیں دوسرا غالب کی جدت فکر والی خصوصیات یعنی غالب کا محبوب قدیم و جدید خصوصیات کے مرکز ہیں۔ غالب کا محبوب دراز قد، دراز زلف، لمبی لمبی پلکوں والا، چاند چہرے کا مالک، ستارہ آنکھوں والا اور سادہ پرکار ہیں۔ لب شیریں ہیں۔

ے ★ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ے قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

(جدت فکر کی عمدہ مثال ہے)

ع اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ع چال جیسے کڑی کمان کا تیر
ع کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب

۲۹) غالب کا تصورِ حسن:

غالب کے خیال میں حسن میں سادگی و پرکاری دونوں ہونے چاہیں غالب کا تصور حسن دیگر تصورات کی طرح روایتی حسن سے منفرد ہے۔

ے سادگی و پرکاری بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آز پایا

ع کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
ع جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق

۳۰) غالب کا تصورِ رشک:

اس میدان میں بھی غالب کی انفرادیت موجود ہے اور جدت سے کام لیا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ غالب نے "رشک" کے پامال موضوع میں بڑی جدت طرازیاں کی ہیں اور اس ضمن میں بڑے نازک خیالوں کا ثبوت دیا ہے۔ مرزا نے اس میں حیرت انگیز تنوع پیدا کیا ہے۔ رقیب کے ساتھ ارتباط گوارا نہیں ہے۔ دشمن کے محبوب سے ہم کلام ہونے پر رشک ہوتا ہے۔ محبوب کی زبان سے غیر کا ذکر سن کر رشک ہوتا ہے۔ خدا نے

ہر کے دل میں محبوب کی آرزو ہی کیوں پیدا کی؟ قاصد پر رشک آتا ہے کہ وہ محبوب سے ہم کلام ہوا۔ غیر پر ستم بھی موجب رشک ہے معشوق کے ساتھ بے جان چیزوں کا رابطہ بھی گوارا نہیں، اپنی زبان سے بھی معشوق کا تذکرہ گوارا نہیں یعنی خود اپنی ہی ذات پر رشک ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو غیر تصور کیا ہے۔ اپنے دیکھنے پر بھی رشک ہوتا ہے محبوب کی خود اپنی اداؤں سے لطف اندوز ہونا گوارا نہیں۔ محبوب کو حوالہ خدا بھی نہیں کر سکتے۔ رشک ہوتا ہے وغیرہ۔ چند مثالیں اس حوالے سے۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعد قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

ع ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے

ع دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں

(۴۱) غالب کے تصور انسان:

مرزا غالب انسان کی عظمت کے قائل ہیں۔

ع ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند

مگر غالب نے اس دنیا میں انسان کی بے بسی پر مجبوری کو بھی واضح کیا ہے۔ کہ انسان کے بس میں کچھ نہیں وہ حالات اور کائنات کے آگے بے بس ہے۔

ع بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے

ع اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک

(۴۲) عشق کے بارے میں غالب کا شعر:

★ عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

(۴۳) مرزا غالب بیدل سے متاثر تھے:

(ا) غالب کی نظر میں معیاری انسان اور شاعر وہ تھا جو مدح سلاطین سے بے نیاز ہو اور اس کے ساتھ نوابی ٹھاٹھ نہ رکھتا ہو تو پھر خودداری قائم رہنے کی ایک یہی صورت ہے۔ بیدل اس معیار پر پورا اترتا۔ اس لیے غالب کو پسند تھا کیوں کہ غالب کو خودداری پسند تھی۔

مرزا کے ہاں اخلاقی عناصر بھی پائے جاتے ہیں:

۳۸) بے اعتدالی اور تکبر سے بچنا، حسد اور جلن سے بچنا، خودداری اور اسلامی عقائد وغیرہ۔

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

ع بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے

۳۹) **غالب شناسی کے بارے میں آپ کی رائے:**

مرزا کے زمانے سے لے کر آج تک ان کی شاعری کا سکہ چل رہا ہے۔ آئے دن غالب کے کلام پر نئی تحقیق ہو رہی ہے۔ حالی سے فراز تک اور فراز سے آج تک سب شعرا نے اس کی عظمت تسلیم کی ہے۔ اور ان سے متاثر ہیں۔ ترس امداد امام اثر۔ عبدالرحمٰن بجنوری۔ رسول مہر، سیم چشتی اور فرمان فتح پوری جیسے محققین نے غالب شناسی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

۴۰) **مرزا غالب اردو ادب میں غزل کے بنیادی وجوہات کیا ہیں:**

(۱) جدت فکر (۲) الفاظ برتنے کا فاتحانہ انداز (۳) فکر اور زندگی کے مسائل غزل کے کلام کس عظمت پر دلیل ہے۔ میں سمونا (۴) بقول حالی، پہلوداری۔

۴۱) **مرزا غالب کے دیوان کل غزلیں:**

۳۲۸

۴۲) **دیوان غالب کا پہلا اور آخری شعر سنائیں:**

پہلا شعر

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

آخری شعر

جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشت خاک ہے

۴۳) دیوان غالب کا نام:

نوائے سروش

۴۴) "نوائے سروش" کے معنی:

غیب کی آواز، فرشتے کی آواز، فرشتوں کا سا کلام

۴۵) غالب کے شعر میں "نوائے سروش" کا لفظ:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر کا خامہ نوائے سروش ہے

۴۶) صریر اور خامہ کے معنی:

صریر عربی زبان کا لفظ ہے۔ اسم صوت اور مونث ہے صریر کے معنی ہیں قلم یا کلک کی آواز جو کاغذ یا تختی پر لکھتے وقت قلم اور تختی کے رگڑنے سے نکلتی ہے۔ قلم کے لکھنے کی آواز "خامہ" کے معنی "قلم" کے ہیں

۴۷) دیوان غالب کے دو مشہور شارحین کے نام:

مولانا غلام رسول مہر، پروفیسر یوسف سلیم چشتی

۴۸) شعر میں غالب نے اپنے اردو کلام کو بے رنگ کیا:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

۴۹) مرزا کے فارسی کا ایک شعر:

سریل ۴۸ والا شعر ملاحظہ کریں۔

۵۰) مرزا کے فارسی استاد کا نام:

"ملا عبدالصمد" جس کا اپنا نام ہرمز تھا جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔

۵۱) مرزا غالب نے مشہور شاعر سے ابتدائی کتابیں پڑھی:

نظیر اکبر آبادی سے

۵۲) شعر و سخن میں غالب کے رہنمائی لی:

فضل حق خیر آبادی سے

۵۳) غالب "رام پور" کہہ کر یاد کیا کرتے تھے:

دارُ سرور

۵۴) برج موہن نے غالب کے شعر کو اقبال کی نظم "شکوہ" کا خلاصہ قرار دیا:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

۵۵) مرزا ملکہ وکٹوریہ کو اپنی کتاب پیش کرنا چاہتے تھے:

"دستنبو" 1857 تا 1858 کے حالات

۵۶) مرزا غالب کے فارسی کی ایک لغت:

برہان قاطع

۵۷) پنج آہنگ، مہر نیم روز اور دستنبو کے موضوعات:

پنج آہنگ انشاپردازی کے حوالے سے ہے، مہر نیم روز، امیر تیمور سے ہمایون بادشاہ تک کی تاریخ ہے

دستنبو ۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۸ء تک کے حالات پر مبنی ہے

۵۸: نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اس شعر میں کس رسم کی طرف اشارہ ہے۔ اور شعر کا کیا مطلب ہے۔

کاغذی لباس جو زمانہ قدیم کے ایران میں دادخواہ پہن لیتے تھے۔ غالب نے لکھا ہے کہ "ایران میں رسم ہے کہ دادخواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا" غالب نے ایران کے اس رسم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس شعر کی مثال اردو ادب تو کیا عالمی ادب میں ملنا ناممکن ہے یہ کثیر الجہتی شعر ہے۔ غالب نے سمندر کوزے میں بند کیا ہے۔ یہاں صرف ایک مطلب ملاحظہ کریں۔ اس شعر کا ایک مطلب یہ ہے کہ ہر تخلیق اپنے خالق کی وجود کی دلیل ہے۔ یہ خوبصورت نقش بنانے والا خود کتنا خوبصورت ہوگا۔ تمام موجودات صرف ایک تصویری پیکر ہیں اس تصویر میں موجود پیکر فریاد کر رہا ہے مگر کس بات کی؟ وغیرہ

وضاحت: سوالیہ انداز میں بتا گیا ہے کہ اگر تم کہتے ہو کہ کوئی خدا نہیں ہے تو سب تخلیق کس کی ہے [illegible] مکمل ایک مخلوق ہے قدرت اتنا خوبصورت کیسے تخلیق کر سکتی ہے۔ جس میں [illegible]

اگر فطرت ہے تخلیق کار ہے تو کوئی تصویر بغیر کسی مصور کے کیوں نہیں بنی آج تک؟ اگر یہ ممکن ہے تو پھر مان لو کہ اس شاہکار تخلیق جسے انسان کہتے ہو اس کا بھی ایک خالق ضرور ہے۔

۵۹) اصل شہود، شاہد، مشہود ایک ہے

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اس شعر کا مطلب:

شاہد کا مطلب ہے دیکھنے اور شہادت دینے والا

مشہود کا مطلب ہے جسے دیکھا جائے

شہود کا مطلب ہے دیکھنا

مشاہدہ کا مطلب ہے۔ دیکھنا، معائنہ کرنا

شاعر کا مطلب ہے کہ جب شاہد، شہود اور مشہود کی اصل ایک ہے اور یہ تینوں لفظ ایک ہی دائرے ہیں تو حیرت کا مقام ہے کہ مشاہدے کو کیا سمجھا جائے اور اسے کس درجے میں رکھا جائے، پوری کائنات صرف وجود واحد کی وجہ سے قائم ہے تو شاہد، مشہود ایک ہی ہوئے۔ اس کے سوا دوسرا موجود نہیں، مشاہدہ اسی حالت میں ہوگا جب شاہد اور مشہود میں غیریت ہوگی جب غیرت ہی نہیں تو مشاہدہ کیا رہا جو دو جداگانہ وجودوں کا تقاضا کرتا ہے؟

۶۰) مرزا غالب کا وہ شعر جس کی مثال اردو ادب میں کیا عالمی ادب میں ملنی مشکل ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

۶۱) ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا غالب کو بنوٹ باز شاعر کا کہنا:

غالب کے اقوال و بیانات کی وجہ سے، فرمان صاحب لکھتے ہیں "غالب کے اقوال و بیانات کے سلسلے میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ وہ بنوٹ باز شاعر ہیں۔ قدم قدم پر پینترے بدلتے ہیں اور اپنی خودداری و ذہنیت کے باوصف مصلحت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے"

۶۲) بحیثیت تنہائی اور سکوت کے عالم میں غالب کی زبان پر کلمات:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ۔ لَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہ

(۱۴) غالب کا تصورِ زندگی:

زندگی کے بارے میں غالب کے خیالات اور تصور روایتی تصوف سے علیحدہ نہیں وہ زندگی کو ایک عبر
تی چیز تصور کرتے ہیں۔

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

غالب اور اقبالؒ میں مشترکات:

(۱) دونوں کو زندگی اور اس کے عناصر و مظاہر سے پیار ہے۔ دونوں ہی محبت کے نقیب اور اخوت کے سفیر ہیں

ع ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
(اقبالؒ)

ع وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
(غالب)

(۲) عشق دونوں کے ہاں ایک فعال قوت ہے۔

ع عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات
(اقبالؒ)

ع عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
(غالب)

(۳) دونوں کے ہاں تصادم، آویزش، پیکار و لیل ہستی ہے۔ کائنات کی ناتمامی کا احساس دونوں کے ہاں ہے۔

ع خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
(اقبالؒ)

ع ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
(غالب)

(۴) دونوں کے ہاں وحدت الوجود کا نظریہ مشترک ہے (بعض نقادوں کو اس سے اختلاف ہے)

(۵) شوخی و ظرافت مشترک ہے (۶) آرٹ و فن کے بارے میں دونوں کے نظریات یکساں ہیں (۷)
رجائیت دونوں کا وطیرہ ہے (۸) شاعری میں موسیقی کی اہمیت دونوں پر آشکار ہے۔

۶۵) دونوں میں بے شمار مشترکات کے باوجود یک نمایاں اختلاف:
اقبالؒ کے ہاں ایک مربوط فلسفہ ہے۔غالب کے ہاں اس کا کہیں وجود نہیں ہاں فلسفیانہ افکار ملتے ہیں
مگر مربوط فلسفہ موجود نہیں۔مطلب اقبالؒ فلسفی شاعر اور غالب شاعر فلسفی ہیں۔

۶۶) مرزا غالب ایک آفاقی شاعر ہیں:

ع نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
ع قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہے
ع آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
ع ہزاروں خواہش ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

۶۷) مرزا غالب کو بت شکن کہا جاتا ہے:
جو آدمی متضاد حالات سے گزرتا ہوا زندگی کی وحدت کو بھی سمیٹنا چاہتا ہو اور اس کی کثرت کو بھی، ظاہر ہے وہ روایت پرستی اور اوہام پرستی پر ضرب بھی لگاتا جائے گا اور نئے نئے بت بھی تراشتا رہے گا جن میں زندگی کا نیا جمال ہوگا۔زندگی کے اسی جمال نے غالب کو ابدیت بخشی اور وہ بت شکن ٹھہرے۔مختصر یہ کہ غالب نے نئی دنیا کا خیر مقدم کیا، بدلتے حالات پر نظر رکھی اور اسے اپنی فکر کا جز بنایا اس لیے کہا ہے۔

ع چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

اور یہی بت شکنی کی بنیاد ہے۔

۶۸) مضامین حزن و یاس میں غالب کا مقابلہ:
جرمنی کے شاعر "ہینا" سے (بہ حوالہ رام بابو سکسینہ)

۶۹) غالب کا مقابلہ جرمنی کے مشہور شاعر "گوئٹے" سے:
تین خصوصیات مشترک ہیں (۱) فلسفی کی عقل و ادراک (۲) صوفی کی نگاہ دور بین (۳) چابک دست مصور کا نازک ہاتھ (بہ حوالہ رام بابو سکسینہ)

۷۰) مرزا غالب کو رام بابو سکسینہ نے "صوفی براؤننگ" کا کہا:
رابرٹ براؤننگ پر جو انگلستان کے فلسفی اور غالب کا ہم عصر تھے۔براؤننگ کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ روح کا تجزیہ کرتا ہے جب کہ رموز و حقائق پر تو غالب کے کلام میں بھی موجود ہے رموز و روحانی کے عمق کو دریافت کرتے ہیں، اس لیے ان کو صوفی براؤننگ کہا ہے۔

۷۱) مرزا غالب کے چند شاگردوں کے نام:
میر مہدی مجروح، نواب ضیاء الدین خان، سالک، ذکی، درخشاں، آزردہ وغیرہ

۷۲) شرحِ دیوانِ مرزا غالب میں طباطبائی نے کون سے تین اشعار کو نعتیہ کلام کے زمرے میں رکھا

[illegible]

(۱) ع کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیے

(۲) ع رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ

(۳) ع کس [illegible]

۷۳) ڈاکٹر کمال احمد صدیقی "غالب کے تین شعر" کے عنوان سے "جہات غالب" پر مضمون:
سوال نمبر ۷۲ کے جواب میں جو تین اشعار ہیں۔ ان پر ایک مضمون لکھا ہے۔

۷۴) ع شاعر نغز گوے خوش گفتار

غالب نے خود کو خوش گفتار کہا ہے:
غالب نے صنائع بدائع سے اس طرح کھیلے ہیں جس طرح کوئی باکمال موسیقار اپنے سازوں سے کھیلتا ہے اور مرزا نے صرف اسی صنعت کو پسند کیا جو آرائش سخن کے ساتھ لطف سخن کو دوبالا کرے۔ جیسے:

ع اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے

ع جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

اس خوش گفتاری کے لیے غالب نے معروف صنعتوں کے علاوہ اپنی ندرت فکر اور جدت ادائے حسن بیان کے پہلو پیدا کیے ہیں جن کا کتب بلاغت میں کوئی نام نہیں۔

۷۵) غالب کے اشعار میں صنعت ایک مؤثر وسیلہ اظہار ہے:

(۱) صنعت اشتقاق

ع اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے

(۲) سیاقۃ الاعداد

ع لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام اور واژگوں وہ بھی

(۳) لف ونشر مرتب

ع ضعف سود و غم و درم و آرام

(۴) صفت تجنیس:

ع جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

نوٹ: اسی صنعتوں اور غالب کے ندرت فکر نے غالب کے کلام میں خوش گفتاری کے بے شمار مثالیں پیدا کی ہیں۔

۷۶) غالب کے طرز گفتار کو شیوا بیانی:

طرز بیدل کو۔

ـ طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسداللہ خان قیامت ہے

۷۷) غالب کا شعر میں پورے نام کا استعمال:

سریل نمبر ۷۶ کا جواب ملاحظہ کریں۔

۷۸) غالب کو متوسط بحریں (ہزج، رمل، مضارع وغیرہ) پسند نہیں تھے:

اس لیے پسند نہیں تھے کہ ان میں کامیاب قصیدے کہے گئے ہیں۔ جن بحروں کو قصیدے کا مزاج گوارا نہیں کرتا غالب انہیں اپنی اردو غزل میں بھی استعمال نہیں کرتے۔ (بہ حوالہ حیات غالب از عقیل احمد)

۷۹) سرقہ و توارد، غالب کے کلام میں موجود ہے:

سرقے و توارد کے اتہام کو جس خوبصورتی سے غالب نے بھایا ہے وہ صرف غالب کو ہی زیب دیتا ہے۔

ـ مبرگماں توارد یقیں شناس کہ درد
متاع من ز نہان خانہ ازل برخاست

غالب نے کما حقہ اس کا اعتراف کیا ہے۔

۸۰) مرزا کا تصور دنیا:

ـ بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

خواجہ میر درد

باب نمبر 4

خواجہ میر درد تصوف کے فلسفے سے واقف تھے:

وحدت الوجود۔

خواجہ میر درد کے فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے کے بارے میں ایک شعر:

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے

خواجہ میر درد ایک باعمل صوفی شاعر تھے۔ دلائل کی روشنی میں:

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے

"عشق حقیقی" کے پیامبر ہیں اس حوالے سے دو اشعار:

برنگ شعلہ غم عشق ہم سے روشن ہے
کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

خواجہ میر درد نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کو ملا کر ایک نئی جدت پیدا کی۔

ارض و سماں کہاں تیری وسعت کو پا سکے

ڈھونڈے ہے تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہے

۶) میر درد عظمت انسان کو قائل ہیں:

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

ع درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

[illegible] مانند ہم اس بزم میں

ع زندگی ہے یا کوئی طوفان

۷) دنیا کی بے ثباتی کے حوالے سے درد کا کوئی شعر:

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

ع شمع کے مانند ہم اس بزم میں
ع ایک دم آئے اِدھر اُدھر چلے

۸) درد کے مسئلہ جبر و قدر تصوف ہے درد اس میں نظریہ کا قائل ہیں:

درد کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ وہ اس معاملے میں جبر کے قائل ہیں

تھا عالم جبر کیا بتائیں
کس طور سے زیست کر گئے ہم

۹) مسئلہ جبر و قدر سے مراد ہے:

عہد قدیم میں یونان کے رواقی فلسفیوں کا نظریہ تھا کہ انسان اس دنیا میں مجبور ہے ان کی تقدیر پہلے لکھی جا چکی ہے۔ لہٰذا انسان کے ساتھ تمام زندگی وہی ہوتا رہے گا جو اس کی تقدیر میں پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اس نظریے کو [illegible] کہا جاتا ہے۔ مسلمان ابتدا میں جبریہ کے قائل تھے۔

بعد میں معتزلہ نے اس نظریے کی مخالفت کی اور "نظریہ قدریہ" پیش کیا کہ انسان نہ آزاد ہے نہ پابند بلکہ چند اعمال میں انسان کو آزادی دے کر اسے قانون الٰہی کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ محنت اور دعا سے تقدیر بھی بدل سکتی ہے۔ مسئلہ جبر و قدر کو مسئلہ خیر و شر بھی کہا جاتا ہے۔

"ذاتِ باری تعالیٰ تک رسائی" دردؔ کا اہم موضوع ہے اس حوالے سے کوئی شعر:

(۱) ع ارض و سما، کہاں تری وسعت کو پا سکے
قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
ے اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

(۲) حلاش و تجسس کے کونقوش دردؔ کی شاعری میں کثرت سے ملتے ہیں:

ع دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
ے زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

(۳) دردؔ کی شاعری میں عملی زندگی کا احساس موجود ہے:

ع دل کس کی چشم مست کا سرشار ہو گیا
ے حیران آئینہ دار ہیں ہم
کس سے یا رب دوچار ہیں ہم

(۴) "انسان اور خدا" کے درمیان تعلق کو دردؔ نے خوب اجاگر کیا ہے:

ع وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
ے آپ سے ہم گزر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

(۴) خواجہ میر دردؔ کا تصورِ عقل و عشق:

دردؔ عشق کو عقل پر فوقیت دیتا ہے۔ ان کے خیال میں عشق کی حرارت کے بغیر کائنات کا نظام نہیں چل سکتا۔ یہ جو انسان کو خدا سے ملاتا ہے۔ دردؔ عقل کی مصلحت اندیشوں سے بہ خوبی واقف ہیں۔

ع برنگ شعلہ نم عشق ہم سے روشن ہے
ے باہر نہ ہو سکی تو قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

(۵) دردؔ کے ہاں خالص مجازی عشق کی جھلکیاں بھی موجود ہیں:

ے میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹ اس کا بھی دردؔ ہل گیا تھا

ے
ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہے
کوئی اس بات سے آگاہ نہ ہو

۱۶) دردؔ کا تصورِ محبوب:

دردؔ کا محبوب دنیاوی ہے، گوشت پوست انسان ہے۔

ع رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور

ع ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہے

ے
بے وفائی پہ اس کی دل مت جا
ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

۱۷) دردؔ کا تصورِ غم:

دردؔ کا تصورِ غم، غمِ جاناں اور غمِ روزگار کا حسین امتزاج ہے محبوب کے دیے ہوئے غم سے اذیت کی جگہ راحت پاتے ہیں۔

ے
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح مر دیکھا

ع جان سے ہوگئے بدن خالی

ع بے وفائی پہ اس کی دل مت جا

ے
شمع کے مانند ہم اس بزم میں
چشمِ تر آئے تھے، دامن تر چلے

۱۸) دردؔ کے کلام میں "حکیمانہ انداز" بھی پایا جاتا ہے:

انسانی عظمت کے ساتھ اخلاقی مضامین بھی دردؔ کے کلام میں شامل ہیں دردؔ انسان کو نیکی کی تلقین کرتا ہے۔

ع دردِ دل واسطے پیدا کیا انسان کو

ع وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا

۱۹) دردؔ کے ہاں غم و حزن کے مضامین بھی بکثرت ملتے ہیں:

ے
دردؔ کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

ع سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا۔

۲۰) "حسن زبان و بیان" میں درد کو ملکہ حاصل ہے:

ع جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا

ع ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہے

ع درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

۲۱) درد کے ہاں مجاز و حقیقت کا حسین امتزاج موجود ہے:

درد کے ہاں ایسے اشعار بکثرت موجود ہیں، جس سے ہم حقیقی اور مجازی معنی دونوں مراد لے سکتے ہیں۔

ع مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے

ے تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

۲۲) درد کے ہاں جمالیاتی عنصر کی فراوانی کی وجہ ہے:

بہترین الفاظ کے انتخاب اور ترتیب کی وجہ سے، جن کا وہ بطور خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ہر شعر سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔

ے سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

ع کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری

ع جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا

ع قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا

۲۳) درد نے تشبیہ و استعارے کا خوب استعمال کیا ہے:

ع زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ع شمع کے مانند ہم اس بزم میں

ع سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزہ خوابیدہ

۲۴) کلام درد میں ایہام کی دلکش مثالیں موجود ہیں:

ع کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

(۲۵) درد کے ہاں پیکر تراشی کی عمدہ مثالیں موجود ہیں:

ع زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ع شمع کے مانند ہم اس بزم میں

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

(۲۶) بلندیٔ تخیل سے شعر کا رتبہ بلند ہو جاتا ہے جو درد کے کلام میں یہ صفت موجود ہے:

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہو گا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہو گا

ع شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل

★ باب نمبر 5 حسرت موہانی

۱) حسرت موہانی کا تصورِ محبوب:

حسرت موہانی کا محبوب گوشت پوست نسان ہے۔کوئی تخیلی مخلوق نہیں حیا کا پیکر ہے، شریف اور گھریلو محبوب ہے۔تمام مہذب یافتہ عناصر کا مالک ہے۔موہانی نے اردو شاعری میں پہلی بار بازاری اور طوائف کے برعکس گھریلو محبوب کا تصور پیش کیا۔اس کی بیوی ہی ان کا محبوب ہے حسرت سے پہلے محبوب بازاری تھا۔

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

یہ پوری غزل گھریلو محبوب اور حیا کے پیکر کی خوب عکاسی کرتی ہے۔

۲) حسرت موہانی کا تصورِ عشق:

بقول یوسف حسین خاں "حسرت کا عشق شریفانہ تھا" حسرت موہانی کا تصورِ عشق گھریلو ہے بازاری نہیں جنسی ہوس کی ست دور ہے۔نہ غم ہے نہ پاس نہ تصوف ہمارے معاشرے کے عام عاشق کے دل پر جو [illegible] تصورِ عشق ہے۔

ع چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ع وہ وضع پارسا اس کی وہ عشق پاکباز اس کا
ـ دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

۳) حسرت موہانی روایت شکن تھے:

حسرت کے ہاں روایت شکنی پائی جاتی ہے۔ حسرت نے نئی اور مہذب روایات کی بنیاد ڈالی جو آج تک اردو شاعری کا وقار بلند کر رہی ہے۔ مطالعہ کلام کے بعد قاری کے ظاہر و باطن میں ایک نیا شعور و گوشہ فکر جاگتا ہے۔

ـ دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
ع قوت عشق بھی کیا شے ہے کہ ہو کر مایوس

۴) حسرت موہانی کے کلام میں معاملہ بندی کا رنگ:

حسرت تجربات و واقعات محبت اسے رکھ رکھاو اور جذبہ دل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ پردۂ ذہن پر رعنائی اور رنگ آمیزی سے تصاویر بنتی ہیں۔ آپ کے معاملہ بندی میں حیا کا عنصر نمایاں ہے۔ گھریلو محبوب اور بیت کا معاملہ بندی ہے۔ آپ نے انسان محبت کی حقیقی ترجمانی کی ہے۔

ـ کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً
اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے
ع چھپلے جاتے ہیں رخ یار پہ سارے گیسو

۵) سہل ممتنع حسرت موہانی کے کلام کی اہم خوبی ہے:

ـ ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں
کیا آپ کی نگاہ سے ہم آشنا نہیں

۶) حسرت موہانی ترجمان حقیقت ہے:

حسرت حسن کو سراہتے ہوں یا عشق کو بیان کرتے ہوں ہر لحظہ حقیقت بیان کرتے ہیں۔

ـ آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہار حسن
آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

ع اک سحر ہے لرزاں کے تبسم تمہارا

۷) حسرت کے کلام میں تصوف کے عناصر موجود ہیں:

حسرت ایک دین دار آدمی تھے۔ جنہوں نے تصوف و عارفیت کو حقیقی مفہوم میں سمجھا یہی وجہ ہے کہ ان کے بڑا حصہ صوفیانہ و عارفانہ خیالات پر مبنی ہے۔ اور اسی تصوف نے ان کے کلام میں سوز و گداز پیدا کیا ہے۔

ہم کیا کریں اگر نہ تری آرزو کریں
دنیا میں اور بھی کوئی تیرے سوا ہے کیا

ع روح کو محو جمال رخ جاناں کرلیں

۸) حسرت کے کلام میں سیاسی رنگ کے کئی حوالے ہیں:

ہم قول کے صادق ہیں اگر جان بھی جاتی
واللہ کہ ہم خدمت انگریز نہ کرتے

ع ہے مشق سخن جاری ، چکی کی مشقت بھی

۹) حسرت موہانی کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے:

شاعری کو فرسودہ مضامین سے نکال کر عروس و بہار کی طرح سجا دینا آپ کا وہ کارنامہ ہے جس کا احسان [illegible] شعر و سخن [illegible] تک نہ اتار سکا آپ نے دم توڑتی روایات و رسومات کو ایک نئی زبان دی اور ایک نئے داستان کے [illegible] گئے۔ آپ نے شاعری کو صالح خصوصیات سے متعارف کرایا اور احیائے غزل کو حیات جاوداں بخشی۔ مرزم [illegible] سے نبھایا یہی وجہ ہے کہ آپ کو رئیس المتغزلین کہا گیا۔

۱۰) حسرت فلسفی عاشق بھی ہے:

حسرت صرف عشق و عاشقی کے ترجمان نہیں بلکہ وہ عشق و عاشقی کے فلسفی بھی ہیں۔ انہوں نے عشق و عاشقی [illegible] میں اور افکار پیش کیے ہیں۔ حسرت کی عشقیہ شاعری کی ایک قدرتی شعور رکھتی ہے۔ یہ [illegible] عاشقی سے [illegible] قرار نہیں بلکہ اسی عشقیہ شاعری کی وجہ سے انسان اور عاشق زندگی کی دوسری [illegible] سے [illegible] ہونے سے قابل ہو جاتا ہے۔

دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا
حسرت بہت ہے مرتبہ عاشقی بلند
تجھ کو تو ملک لوگوں نے مشہور کر دیا

۱) حسرت کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت حسن تغزل ہے:

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کردیا

ع ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کردیا

اک مرقع ہے حسن شوخ ترا
کشمکش ہائے نو جوانی کا

ع بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو

۲) فارسی شعرا میں حسرت کن شعراء سے متاثر تھے:
مولانا روم، جامی، سعدی، نظیری، فغانی

اردو میں کہاں ہے اور حسرت
یہ طرز نظیری و فغانی!

۳) حسرت موہانی نے اردو میں شعراء سے فیض اٹھایا ہے:
غالب، مصحفی، میر، نسیم اور مومن

غالب و مصحفی و میر و نسیم و مومن
طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

۴) طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

حسرت نے قدیم شعرا کی تقلید کی ہے
یہ بات درست ہے کہ حسرت نے قدیم اساتذہ غزل کے مختلف رنگ [illegible] ضرور اٹھایا مگر [illegible]
[illegible] رنگ دے دیا۔

۵) حسرت نے اپنا جسم تین کاموں کے لیے وقف کیا تھا:
حسرت [illegible] سیاست کے لیے، دل شاعری کے لیے اور پیشانی عبادت کے لیے وقف تھی۔

۶) حسرت موہانی کو "رئیس الاحرار" کہا جاتا ہے:
۱۹۰۶ میں مسلم لیگ کا قیام، ۱۹۱۰ میں تقسیم بنگال کی منسوخی، ۱۹۱۳ میں کانپور کے واقعات نے مسلمانان
[illegible] حسرت موہانی بھی عملی [illegible] [illegible]

میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ موہانی کے اس کوشش کی بنا پر انہیں سید الاحرار کہا جانے لگا۔

۱۷) موہانی تحریک سے وابستہ تھے:

سودیشی تحریک اور تحریک آزادی ہند۔

۱۸) موہانی کی شاعری کا موضوع ہے:

عشق اور فلسفہ

۱۹: حسرت موہانی نے حج کیے:

۱۳

۲۰) حسرت کانگریسی تھے اس کے علاوہ انڈیا کے کس پارٹی کے بانی رہے۔

کیمونسٹ پارٹی انڈیا۔

۲۱) علامہ شبلی نعمانی نے حسرت موہانی کے بارے میں کہا تھا:

"تم آدمی ہو یا جن، پہلے شاعر تھے پھر سیاست دان بنے اور اب بنئے ہو گئے ہو"۔

۲۲) سودیشی تحریک سے مولانا حسرت موہانی وابستہ تھے:

اپنے وطن اور ان کے چیزوں سے اور عوام سے محبت اس تحریک کے بنیادی مقاصد تھے وطن کے دردنہاں کی دوا، غریب قوم کی حاجت اور تمام رہبر کی روح رواں اور شریک حسن عمل جا بجا اس تحریک کے مقاصد تھے۔ اس تحریک پر تلوک چند محروم نے ایک نظم بھی لکھی ہے ۔

۲۳) حسرت موہانی نیا یک سالہ جاری کیا اور اس میں ایک قسم کے مضامین شائع ہوتے تھے:

رسالہ "اردوئے معلیٰ" اس میں ادبی، سیاسی اور مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۲۴) حسرت موہانی کے تصانیف:

جواب:۔ شاعری کے تیرہ دواوین ہیں، جنہیں "کلیات حسرت" کے نام سے یکجا کیے گیے ہیں گمنام اردو شعرا کے انتخاب مرتب کیے۔ "انتخاب سخن" کے نام میں اردو کے نامور شعرا کا یک مجموعہ مرتب کیا جو کئی جلدوں میں شائع ہوا "نکات سخن" کے نام سے فنی شاعری پر ایک کتاب مرتب کیا۔

۲۵) حسرت موہانی 1938 میں حج کے بعد چند ممالک میں گئی:

ایران، عراق اور مصر

باب نمبر 6

(مومن خان مومن)

۱) مومن خان مومن کا وہ شعر جس کے بدلے غالب اپنا پورا دیوان دینے کو تیار تھے:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

۲) مندرجہ بالا شعر میں ایسی کیا خاصیت تھی کہ غالب جیسے شاعر اس پر اپنا پورا دیوان دینے کو تیار تھے؟

مومن کی زبان میں سادگی اور بیان میں حسن موجود ہے۔ ان کے زبان وبیان میں دل کشی ہے۔ سادہ سے سادہ الفاظ میں ایک دنیا آباد کرنا مومن کا خاصہ ہے۔ جو اس شعر کی خصوصیت بھی یہی ہے اور یہی خصوصیت اردو شاعری کی شان ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس شعر میں سادگی کے باوجود ایک دنیا آباد ہے اور تغزل کی بھی عمدہ مثال ہے۔

۳) مومن خان مومن کی شاعری میں تغزل کی بہترین مثالیں موجود ہیں:

مومن اردو تغزل میں ایک طرز خاص کے مالک ہیں۔ مطلب کو پیچ سے ادا کرنا اور بات کو پھیر سے کہنا اس طرز خاص کی خصوصیت ہے۔ مومن کا تغزل صرف عشق مجازی تک محدود ہے اس میں میر کی طرح تصوفانہ اسرار و رموز اور مذہبی سرشاری نہیں۔ اس لیے مومن کا تغزل مومن کا خاصا ہے

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

نوٹ: یہ شعر تغزل میں مومن کے تجربات کا پرتو ہے۔

۴) معاملہ بندی، مومن کی شاعری کی اہم خصوصیت ہے:

ع وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

نوٹ: یہ پوری غزل معاملہ بندی عمدہ مثال ہے۔

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

۵) مومن کے تغزل میں مرکزی حیثیت:

محبوب کو جو پردہ نشین ہوکے بھی جلوہ دکھاتا ہے لوگ اس جلوے سے اپنے گریباں کو داماں کی طرح

چاک کر دینا شروع کر دیتے ہیں۔

ع یا لیلیٰ مجھ کو کس پردہ نشین کا غم دیا

۶) مومن خان مومن کے تغزل کی اہم خصوصیات:

رنگینی، شعریت، صورت پرستی، جمال پرستی، اجتماعی شعور وغیرہ۔

۷) نیاز فتح پوری نے مومن کی شاعری کی دو نمایاں خصوصیت بتائی ہیں:

(۱) ان کے کلام میں کسی بھی جگہ خوئے گدایانہ کا اظہار نہیں

(۲) ان کا تغزل تصوف اور عشق حقیقی سے مکمل پاک ہے جو عام طور پر رنگ تغزل تصوف اور عشق حقیقی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۸) خالق رام پوری کا مومن کے تغزل کے بارے میں رائے:

"تغزل میں رنگ مجازی مومن کو جچتا ہے"

۹) مومن کی غزل معاملہ بندی کی بہترین مثال ہیں:

ع وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

۱۰) جرأت اور مومن کے معاملہ بندی کا بنیادی فرق:

جرأت معاملہ بندی کے سلسلے میں تہذیب واخلاق اور ذوق سلیم کے زاویوں سے نکل کر ابتذال حتی کہ فحش نگاری تک پہنچ جاتے ہیں۔ سیکڑوں اشعار ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں جب کہ مومن کا کلیات کافی ضخیم ہے مگر اس طرح کی گندگی اور عیوب سے پاک ہے۔

جرأت کا شعر ملاحظہ ہو۔

ب کل وقت راز اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

ع جلدی طلب بوسہ پہ کیجیے تو کہے واہ

مومن کے یہاں یہ انداز ملاحظہ کیجیے۔

ب کل تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

ع عشق پردہ نشین میں مرتے ہیں

ع　وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

۱۱) مومن کے تغزل میں رقیب اور عاشق کی چپقلش موجود ہے:

مومن عشق میں جذبہ صادق اور رقیب ہوس وشر کا علمبردار ہے۔

ب　قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یوں ہے بری بلا ہے عشق

ب　غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

ع　محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے

ع　جب عدو باعث گرمی ہوں تیری محفل کے

۱۲) مومن کی شاعری محسوسات کی شاعری ہے:

مومن کی شاعری حواس کو متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

ب　تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

ع　خرام ناز نے کس کے جہاں کو کردیا برہم

ع　آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو

۱۳) مومن کی شاعری کا دائرہ تنگ ہے وہ حسن وعشق کے حصار سے باہر قدم نہیں رکھتے مگر اس محدود دائرے اور موضوع میں مومن نے شاہ کار کمالات کا مظاہرہ کیا ہے۔

ع　تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے

ع　میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے

ع　وہ آئے دست غیر میں دیے ہاتھ

ع　ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم

ب　بے خود تھے غش تھے، محو تھے، دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو ہجراں سے کم نہ تھا

ہجر، وصال، روٹھنا، منانا۔ محبوب کی وفاداری، ہرجائی پن، بہانہ سازی، برابری کا سلوک۔ اپنی جانثاری پر فخر، کبھی پچھتانا جیسی کیفیتوں سے مومن کا دائرہ عشق اور شاعری بھری پڑی ہے۔

۱۴) مومن کی وہ غزل جس میں قول وقرار، عہد وپیاں، لطف وکرم، گلے شکوے وغیرہ سب عہد وانداز رنگ
پیش کر دیے گئے ہیں:

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

۱۵: مومن کا تصور محبوب:

پردہ نشین ہو کے بھی جلوہ دکھا کر قیامت برپا کر دیتا ہے۔ شوخ وشریر ہے۔ چھیڑ خانی اور مزاح اس کی
عادت ہے۔ گوشت پوست انسان ہے۔ مجلسی محبوب ہے۔ ظالم ہونے کے ساتھ رحم دل بھی ہے۔

ع اس دہن کو غنچہ گل کیا کہوں
ع تم میرے پاس ہوتے ہو گویا

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

۱۶) مومن کا تصور عشق:

محبت اور حسن پرستی مومن کے جسم وجاں میں بسی ہوئی ہے۔ وہ عشق کو دل کا مشغلہ سمجھتے ہیں۔ جان کا
روگ نہیں بناتے۔ مومن کا عشق نظر کا عشق ہے ان کا تصور عشق میں دیکھنے اور دکھانے کو بڑی اہمیت حاصل ہے
۔ان میں رشک وحسد، وہم گمان اور حریفانہ کش مکش یا غیاںہ چشمک کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ وہ عشق کو حیات سمجھتا
ہے۔

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

۱۷) ''مکر شاعرانہ'' مومن کی شاعری کی اہم خصوصیت ہے:

محبوب کو ایسی بات کہہ دینا جس میں بہ ظاہر محبوب کو اپنا فائدہ نظر آئے مگر حقیقت میں شاعر کا اس میں اپنا
فائدہ ہو۔ مومن نے اسے اپنے کلام میں خوب برتا ہے۔ یہ خصوصیت مومن سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہو گئی۔

ع غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ظالم

نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی مثالیں:

۱۸) نازک خیالی اور مضمون آفرینی: مومن کے کلام میں نازک خیالی اور مضمون آفرینی اس طرح بات پیدا کرنا کہ اصل مفہوم تک رسائی دشوار ہو جاتی ہے۔

آئے '' دست غیر میں دیے ہاتھ

آس ٹوٹی شکستہ پائی کی

رشک پیغام ہے عناں کشِ دل

مومن کے اسلوب یعنی زبان و بیان کے حوالے سے:

۱۹) اگرچہ مومن کی غزل میں وہ تنوع نہیں جس نے میر و غالب کو شہرت دوام بخشا لیکن ان کا اسلوب کسی دوسرے شاعر سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے اسلوب سے شاعری کے فن کو فنِ لطیف بنا دیا ہے لطیف ایہام اور رمزوں سے کام لے کر اپنی اختراعی ذہانت کا ثبوت دیتے ہیں۔ سادگی اور سلاست ان کے اسلوب کی نمایاں خوبی ہے۔

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا

رنج راحت فزا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

۲۰) مومن واحد شاعر ہے جو اپنے مقطعوں کے بامعنی استعمال کرتے ہیں:

مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

شب جو مسجد میں جو پھنسے مومن

رات کاٹی خدا خدا کر کے

دشمن مومن ہی رہے بت سدا

مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے

۲۱) علامتی اعتبار سے مومن کا مرتبہ بہت بلند ہے:

مومن صرف روایت ہی کا پابند نہیں بلکہ نئی علامتوں اور تمثیلوں کی تخلیق بھی کرتے ہیں جس کی وجہ سے علامتی اعتبار سے ان کا مرتبہ بلند ہو گیا ہے۔

انداز سخن

ے کیا ٹھہرے فوج غم کے مقابل لگال ۔۔۔

بجتے نہیں ہیں لشکر بربار کے قدم

۲۲) مومن خان مومن پر شاہ نصیر کا تھوڑا بہت اثر موجود ہے:

مومن کی غزل میں ان کی ردیفوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی لمبی ردیفیں مومن کی یادگار ہیں۔ پر شاہ نصیر کا اثر موجود ہے

ع وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ع الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ

۲۳) ترنم کے لحاظ سے مومن کی غزلوں میں کافی تنوع ہے:

ے دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے

فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے

ع آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

۲۴) مومن کے کلام میں وہ خوبی جو مومن کے معاصرین میں یہ خوبی صرف غالب کے ہاں موجود ہے:

فارسی تراکیب، مومن کے ہاں فارسی تراکیب کا خوبصورت استعمال پایا جاتا ہے جو ان کی غزل کو نئی اور معنی آفرینی ذوق بخشتا ہے۔

ے بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل

کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم

ع پھر پیرہن کے ہوتے ہیں ٹکڑے برگ گل

۲۵) مومن نے اپنے دوست فضل حق خیر آبادی سے ان کی ناچاقی کے نتیجے میں جو غزل لکھی ہے وہ رعایت لفظی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس غزل کو کوئی ایک شعر سنائیں؟

ے لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں

مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

۲۶) مومن کے ہاں پہلودار اشعار کی کمی نہیں:

ے تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

میں اپنی چشم شوق کو الزام خاک دوں

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

مومن کے ہاں مکالمے اور ڈرامائیت کا انداز:

(۱۰) مومن کے ہاں مکالمے اور ڈرامائیت کا انداز [illegible] وہ اپنے اندری اور مخصوص لب و لہجے سے کہیں کہیں مکالمے کا انداز [illegible] مومن ایک خالق [illegible]
[illegible] اور ڈرامائیت سے اثر انگیزی کا کام لیتا ہے۔

ع جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
ہم بندگی بت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

(۱۱) مومن خان مومن کا تصورِ عاشق:

مومن کی غزل میں عاشق ایک فعال مخلوق ہے۔ وہ عشق کو حیات سمجھتا ہے اور راستے کے سنگ گراں [illegible]
[illegible] ان کے لیے عشق کے کڑے مراحل کوئی معنی نہیں رکھتے۔ عزم و ثبات ان کے ہتھیار ہوتے ہیں
[illegible] اسے دل گیری ضرور کرتا ہے۔ مگر وہ مایوس نہیں ہوتے بہ قول عبادت بریلوی "مومن کی غزل کا عاشق
[illegible] سے قرب حاصل کر کے اس سے لطف اندوز ہونے کا خیال نہیں چھوڑتا اور اس کی وجہ اس کی رندی اور شاہد
[illegible]"

ع ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
ع وحشت ہے عشق پردہ نشین میں دم بکا

(۱۲) مومن کے ہاں شاعرانہ تعلّی موجود ہے:

مومن اپنی بے مثالی کے بارے میں:

عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہووے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے

(۱۳) [illegible] مومن نے دہلی کی ایک طوائف سے عشق میں ایک مثنوی لکھی ہے۔ طوائف اور مثنوی کا نام بتائیں؟

جواب۔ طوائف کا نام "حجاب" ہے جو شاعرہ تھی اور مثنوی کا نام "قول غمیں" ہے۔

(۱۴) [illegible] کی نظر میں مومن کس خوبی میں مرزا غالب سے سبقت لے گئے ہیں:

[illegible]

۳۲) مومن نے کس کے خوشامد کے تحت قصائد کا لکھا:

نو قصائد ہیں جن میں سات مذہبی اور دو غیر مذہبی قصیدے ہیں کبھی کسی بادشاہ یا امیروں کی خوشامد میں قصیدہ نہیں لکھا۔ صرف ایک قصیدہ تہنیت کے شکرانہ کے طور پر رئیس پٹیالہ کے بھائی راجا جیت سنگھ کی تعریف میں لکھا۔ کلیات میں ۱۲ مثنویاں ہیں جن میں چھ کا موضوع خود ان ہی کا عشق ہے۔

۳۳) شاعری کے علاوہ مومن کو ایک اور علم میں بھی ملکہ حاصل تھا:

علم نجوم اور تاریخ اور شطرنج میں

۳۴) مومن خان کی مشہور مثنوی:

مثنوی جہادیہ

۳۵) مومن کے کامیاب معاشقوں کا ذکر:

چھ۔ اور ہر عشق پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔

۳۶) مومن کو محاکات کا شاعر کہا:

ڈاکٹر نجیب جمال نے

۳۷) مومن کا اس شاگرد کا نام جس نے مومن کو زندہ جاوید کر دیا تھا:

نواب شیفتہ نے

۳۸) مومن کا ایک کتاب کو معشوقی کتاب کا کہنا:

گلستان سعدی کو

باب نمبر 7

داغ دہلوی

۱) داغ دہلوی دیوانوں کے نام:

داغ دہلوی کے چار دیوان ہیں (۱) گلزار داغ (۲) آفتاب داغ (۳) مہتاب داغ (۴) یادگار داغ

۲) داغ کے دواوین کے ناموں کا پس منظر:

(۱) گلزار داغ (زندگی کے شروعات یعنی پیدائش سے جوانی تک کے حالات کے تناظر میں)

(۲) آفتاب داغ (جوانی کے جوبن کی وارداتوں کے تناظر میں) (۳) مہتاب داغ (جب عشق و جوانی کے حرارت

یادگار داغ (زندگی بھر کا خلاصہ) (۲) اسی تناظر میں ، بعینی چاندی روشنی کی مانند ہو جائے
ویسی ہلکی ہو جائے

۳) داغ شاگرد تھے:

ذوق کے

۴) داغ نے منی بائی حجاب کے عشق میں ایک مثنوی:

فریادِ داغ

۵) اردو شاعری میں داغ کا زندہ جاوید ہونا:

زبان دانی کی وجہ سے۔

۶) داغ کی زبان دانی:

داغ نے زبان پر بے حد توجہ دی، قدامت پرستی سے آزاد کیا۔ محاوروں اور روزمرہ کا اشعار میں درست استعمال رائج کیا۔ دلی کی زبان عوام اور خواص میں عام کیا، عمدہ الفاظ کا برمحل استعمال داغ کو اپنے استاد ذوق سے ورثے میں ملا تھا۔ بقول فراق گورکھپوری "غالب کی زبان نرم ہو کر حالی کی زبان بن گئی۔ مومن کی حسرت کی زبان بن گئی اور ذوق کی زبان داغ کی" غالب جیسے غزل گو داغ کی زبان اور محاوروں کے مداح تھے۔

۷) داغ نے عظیم غزل گو کی زمین میں طبع آزمائی کی:

مرزا غالب:

ب
عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

ج
ترے وعدے پر ستم گر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

۸) داغ بنیادی طور شاعر:

جمالیات کا اور نشاطیہ شاعر ہیں۔

۹) داغ کا تصور عشق:

جواب ۔ داغ کسی ایک محبوب سے عشق کرنے کا پابند نہیں ان کے ہاں ایک نہیں تو دوسرا ، دوسرا نہیں تو تیسرا والا معاملہ ہے ان کے تصور عشق میں نہ غم ہے نہ ہجر نہ کوئی فریاد نہ رقیب جو چاہا اسے ملا اور خوب ملا۔ ان

[illegible] ہوا ہوں ہے۔

ے قیامت ہیں باکی ادئیں تمہاری
ادھر آؤ لے لوں بلائیں تمہاری

ے ہزاروں کام محبت میں ہیں مزے کے داغ
جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

ع بہت جلائے گا حوروں کو داغ جنت میں

۱۰) داغ کے ہاں معاملہ بندی کے حوالے:

ے دی شب وصل مؤذن نے اذاں پچھلی رات
ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا

ے اک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اف تری کافر جوانی جوش پر ائی ہوئی

۱۱) داغ دہلوی کے ہاں تکرار لفظی:

ے تم نے اے داغ محبت سے کیا ہے انکار
یہ سخن یاد رہے یاد رہے

۱۲) داغ کا وہ شعر جس میں لفظ "اردو" استعمال ہوا ہے:

ے اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

۱۳) داغ کے چند ہم عصروں کے نام:
جلال، تسلیم، امیر مینائی وغیرہ

۱۵) داغ کے چند مشہور شعرا شاگردوں کے نام:
علامہ اقبال، جگر مراد آبادی، احسن مارہروی وغیرہ

۱۶) داغ رام پور میں:
۲۴ سال

۱۷) داغ کا تصور عشق:
بقول سلیم اختر "وہ عاشق جو مومن کے ہاں محض ہرجائی تھا وہ داغ کے ہاں ہوس پرست بلکہ اوباش بن جاتا

کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے ابتذال۔ عریانی اور فحاشی سب کچھ موجود ہے"

شب وصل ضد میں بسر ہو گئی
نہیں کہتے کہتے سحر ہو گئی

(۱۸) داغ کی کئی اشعار ضرب المثال:

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

وہ جب چلے تو قیامت بپا تھی چاروں طرف
ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

(۱۹) داغ کو ایک طوائف سے عشق:

جواب:۔ منی بائی حجاب جو داغ کے ساتھ حیدرآباد بھی آگئی تھی۔

(۲۰) داغ کے ہاں واہ ہے اونہیں:

ہاں یہ درست ہے کہ داغ کا تعلق دبستان دہلی سے ہے مگر وہ ایک دلی عہد کے بیٹے ہیں۔ جو ہی دلی پر قیامت ٹوٹی۔ داغ رام پور آگئے اور رد و غم کے ماحول سے دور رہے جو عیش و عشرت انہیں رام پور میں ملی اس نے داغ کو دہلی کی قیامت کی طرف واپس جانے نہ دیا جو چاہا جیسے چاہا ملا خوب ملا۔

ع ہزاروں کام محبت میں ہیں مزے کے داغ

داغ نہ واعظ تھے نہ مولوی نہ ناصح، نہ معلم اخلاق، وہ ایک رند شاہد باز تھے حسن سے فطری لگاؤ تھا، قسمت کے سکندر رہے۔ تمام عمر عیش و عشرت اور پری جمالوں کی صحبت میں گزاری، جاگیردارانہ ماحول کے پیداوار تھے۔ اس لیے ان کی شاعری آہ سے دور ہے مگر دلی کی شستہ زبان کی شیرین مٹھاس عوام و خواص میں مقبول بنایا۔ دہلی کے محاورے اور روزمرہ اپنے کلام استعمال کر کے انہیں زندہ جاوید کر دیا۔ داغ کے ہاں آہ نہ سہی دلی کی شستہ زبان ان کی دبستان دہلی کی آخری نمائندہ شاعر ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲۱) داغ کے کلام میں طنز:

داغ کے طنز میں نشتر کی کاٹ، زہر کی تلخی، جواب کی جلن اور شہد کی مٹھاس سب کچھ ہے اور بڑے لطیف انداز میں سب کچھ کہہ جاتے ہیں۔

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

ع
عمر جاوید خضر کو بخشی

۲۲) داغ کے کلام میں شوخی وخوش گفتاری:

طعنہ۔گدگدی مزاح، چٹکی، چھیڑ چھاڑ، جلی کٹی، پھبتی، وغیرہ

داغ کی شکل دیکھ کر بولے
ایسی صورت کو پیار کون کرے

(ناطق لکھنوی)

۲۳) داغ کی شاعری کا مشن اور مقصد:

داغ کا "فن شاعری" ایک ادارہ ہے۔ یہ اپنے درد کی سماجی اور ثقافتی تقاضوں کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کی ایک تاریخی حیثیت ہے۔ داغ کا مشن تھا کہ تمام عمر دلی کی شستہ ورفتہ زبان کی شیرینی حلاوت اور لوچ سے تمام ہندوستان کے مزاج کے مطابق ان میں خوشی اور انبساط پھیلا نا اور زبان کو مقبول بنایا۔ رام بابو نے داغ کو میٹھی شیرینی اور عاشقانہ شاعری کے مسلم الثبوت استاد قرار دیا ہے۔

۲۴) داغ کا تصور محبوب:

داغ کا محبوب ہرجائی ہے۔ ہزاری ہے۔ کسی ایک سے محبت کا پابند نہیں ہے۔ عاشق پر مہربان ہے۔ وصل ان کا خاصہ ہے۔ باوقار پردہ نشین ہونے کے بجائے بازار کی طوائف ہے۔ جس سے عاشق ہر وقت چھیڑ چھاڑ ہاتھا پائی اور تیز کلامی پر اتر آتے ہیں۔

یہ گستاخی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے اے دل ناداں
ابھی پھر روٹھ جائیں گے ابھی تو من کے بیٹھے ہیں

۲۵) داغ کے عشق میں چھٹنے اور لپٹنے کے مضامین:

جی ہاں! داغ کے عشق میں چمٹنے اور لپٹنے کے مضامین پوری رعنائیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کو پڑھ کر داغ کے عشق پر ہوس کے جو غلاف چڑھے ہوتے ہیں دور سے نظر آتے ہیں۔ سپردگی کا جذبہ ذاکرزنی کا جذبہ بن جاتا ہے۔ بازاری عشق حسن پر حملہ بول دیتا ہے۔ ہم آہنگی مضاربت میں بدل جاتی ہے۔ بوسوں اور عریانی کا بھی بولنے لگتا ہے اور بوالہوسی کا جن بوتل سے باہر نکل آتا ہے۔

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

خارجیت:

ے شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا

ع ہر بار عجب رنگ ہے ہر بار عجب روپ

۲) آتش کے کلام میں رجائیت اور بلند حوصلگی:

ے ہوائے دور مے خوش گوار راہ میں ہے
خزاں چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں ہے

یہ پوری غزل رجائیت کا بہترین نمونہ ہے۔

ے بحر الفت میں تباہی کا ہے اندیشہ کیسے
نا خدا جو نہیں رکھتے وہ خدا رکھتے ہیں

۳) آتش ہجر کے نہیں وصال کے شاعر:

ے ہر شب شب برات ہے ہر روز روز عید
سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں ڈال کے

ع شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا

۴) قناعت، خودداری آتش کے کلام کے اہم موضوعات:

ے مقسوم کا جو ہے سو وہ پہنچے گا آپ سے
پھیلایئے نہ ہاتھ نہ دامن پساریے

۵) آتش کے ہاں شاعرانہ تعلّی:

ے اپنے ہر شعر میں ہے معنی تہ دار آتش
وہ سمجھتے ہیں جو کچھ فہم و ذکا رکھتے ہیں

ے مکیں ہر معنی روشن ، مکاں ہر بیت موزوں ہے
غزل کہتے نہیں ہم چند گھر آباد کرتے ہیں

۶) لہجے کی ملائمت آتش کے شعروں:

ع کھڑا نواز کرتی شہسوار راہ میں ہے

۲۶) داغ اور محبوب کے ہم کلامی:

جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں

۲۷) داغ کے بے شمار معشوقے تھے ان میں صرف تین کے نام بتائیں؟

جواب:۔ منی بائی جان، اختر جان، عمدہ جان

۲۸) رقیب کے حوالے سے داغ:

بلائے عشق تو دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
مرا رقیب بھی رویا گلے لگا کے مجھے

۲۹) داغ کا سب سے بڑا کارنامہ:

اس دور میں جب شعرا اپنے ذاتی اور شخصی کردار کو تہہ در تہہ پردوں میں پوشیدہ رکھتے تھے۔ طوائفوں سے عشق کر کے دل بہلاتے تھے۔ اور شراب پی کر غم روزگار فراموش کرنے کی فکر کرتے تھے لیکن شعر تصوف کے کہتے تھے داغ نے یہ دورنگی ختم کر دی۔ انہوں نے جرات سے کام لے کر اپنی شاعری میں اپنے تجربات، مشاہدات عشق بیان کر کے اپنی اصلی شخصیت کو بے نقاب کیا۔ انہوں نے اپنی رندی پر تصوف کے لبادے نہیں چڑھائے۔ اپنے عشق مجازی کو عشق حقیقی کا رنگ نہیں دیا جیسے تھے ویسے ہی شاعری میں جلوہ گر ہوئے۔ یہ داغ کا کارنامہ ہے اور ان کی انفرادی خصوصیت ہے۔ اس صفت میں کوئی اور اردو کا شاعر ان کی ہم سری نہیں کر سکتا۔

عشق بازی کو ہے سلیقہ شرط
یہ گناہ بھی ہے یہ ثواب بھی ہے

باب نمبر 8

(خواجہ حیدر علی آتش)

۱) آتش کے ہاں داخلیت اور خارجیت:

داخلیت:

رات بھر کیں دل بے تاب نے باتیں مجھ سے
رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا

نہ پوچھ حال مرا چوب خشک صحرا ہوں

حسرت جلوۂ دیدار لیے پھرتی ہے
پیش روزن پس دیوار لیے پھرتی ہے

۷) آتش نے اپنے حریف ناسخ:
یہ مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تونے کہی عاشقانہ کیا

۸) آتش کا نظریہ شعر:
آتش کی رائے میں شاعر کا رنگین بیان، دل کش خیال جب تصویر بن کر شعر کے سانچے میں ڈھل جائے اور اس خیال میں شاعر لفظوں کو ایسے سلیقے سے ترتیب دے جیسے کوئی جوہری نگینوں کو جڑتا ہے۔ یہی آتش کا نظریہ شعر ہے۔

کھینچ دیتا ہے شبیہ شعر کا خاکہ
فکر رنگین کام اس لیے کرتی ہے پرواز کا
ع بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں

۹) آتش رجائیت کے شاعر ہیں:
ہوائے دور مے خوش گوار راہ میں ہے
خزاں چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں
یہ پوری غزل رجائیت کی بہترین مثال ہے۔ یا یہ شعر ملاحظہ کریں۔
بحر الفت میں تباہی کا ہے اندیشہ کسے؟
نا خدا جو نہیں رکھتے وہ خدا رکھتے ہیں

۱۰) آتش نے شاعر کو منسوب کیا ہے:
آتش نے شاعر کو مصوری سے منسوب کیا ہے۔
یہ شاعر ہیں الٰہی یا مصور پیشہ ہیں کوئی
نئے نقشے نرالی صورتیں ایجاد کرتے ہیں

۱۱) آتش نے تشبیہات اور استعارات سے بھرپور کام لیا ہے:
یہ آرزو تھی تجھے گل کے رو برو کرتے

ہم اور بلبل بیتاب گفتگو کرتے
چاروں طرف سے صورت جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو آئینہ خانہ ہے

۱۲) آتش بڑا شاعر ہے یا ناسخ یا لکھنو دبستان کا بانی کون ہے:

آتش ناسخ سے بڑے شاعر ہیں اور دبستان لکھنو کا بانی بھی ہے۔ جس کی بے شمار وجوہات ہیں چند بنیادی وجوہات درجہ ذیل ہیں جو عظیم شاعری کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔ (۱) ناسخ صرف فن کے شاعر ہیں اور فن پر زور دیتے ہیں۔ جب کہ آتش فکر اور فن دونوں کے شاعر ہیں جو عظیم شاعری کی بنیاد خصوصیت ہے (۲) ناسخ صرف خیال کے شاعر ہیں جب کے آتش فکر اور جذبے کے امتزاج کا شاعر ہیں یعنی فطری شاعری ہے یعنی اس میں فکر، جذبہ اور احساس گھل مل گئے جو بلند شاعری کے لیے بنیادی وصف ہے۔ (۳) ناسخ کے کلام میں تصنع ہے جب کہ آتش کے کلام میں سادگی اور سلاست ہے۔

نوٹ: ناسخ کا شمار عظیم شعرا میں نہ سہی اصلاح زبان سے سلسلے میں ان کا کارنامہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا یعنی استادان فن میں انھیں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

۱۳) آتش قلندرانہ مزاج اور توکل کے قائل تھے:

آتش صوفی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود باعمل صوفی نہ تھے۔ والد کی وفات کے بعد ان میں کچھ بے راہ روی آئی جس کی وجہ سے ان کا یہ موروثی فقری۔ قلندری شکل اختیار کر گیا۔

ع اے ہما پیش فقیری سلطنت کیا مال ہے
ے شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہار بے خزاں ہے
ع مرد درویش ہوں تکیہ ہے تو کل میرا
ے دنیا سے بے نیاز قناعت نے کر دیا
اکسیر کا جو کام تھا اکسیر سے ہوا

۱۴) آتش ایک وسیع المشرب انسان کا روپ:

جواب ۔ آتش کے ہاں صوفیانہ عقائد ایک نہایت خوشگوار اثر مرتب کیا ہے کہ آتش تصوف اور قلندرانہ مسلک کی بدولت تعصب کے تنگ دائرے اور محدودات سے بالاتر ہو کر ایک وسیع المشرب انسان کے روپ میں سامنے آتے ہیں

صوفیوں کو وجد آتا ہے نغمہ ساز کا
شبہ ہو جاتا ہے پردے سے تیری آواز کا

۱۵) آتش کی شاعری:
آتش کی شاعری میں جگہ جگہ سپاہیانہ گھن گرج سنائی دیتی ہے وہ اکثر تیغ و تلوار کے مضامین باندھتے ہیں۔ وہ مشاعروں میں تلوار ساتھ لے کر جاتے تھے۔ سپاہیانہ رعب و دبدبہ

پھر گئے ہیں معرکوں میں مجھ سے تلواروں کے منہ
سخت جانی نے مرے توڑے ہیں خنجر سینکڑوں

۱۶) آتش کا تصور مردانگی:
آتش کے ہاں مردانگی کا تواتر اثر سے آیا ہے۔ جس سے ان کی مراد وہ اعلیٰ انسانی خواص اور جواہر ہیں جن سے ایک انسان شریف، حوصلہ مند اور قول کا دھنی ٹھہرتا ہے۔

نہ کھایا میں نے کڑے پن سے زخم تیغ کرم
میں اپنے جوہر ذاتی سے غرق آہن تھا

۱۷) آتش کی کوئی شعر:

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

ع شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
ع زمین چمن گل کھلاتی کیا کیا
ع ہوائے دور ہے خوش گوار راہ میں ہے
ع یہ آرزو تھی تجھے گل کے رو برو کرتے

۱۸) رام بابو سکسینہ نے فرمایا ہے کہ آتش نے محاورات ایسے برمحل استعمال کیے:

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

۱۹) آتش نے معنی اور موسیقی کو ہم آہنگ کیا:

دست قدرت نے بنایا ہے تجھے اے محبوب

ایسا ڈھالا ہوا سانچے میں ہنر ہے کس کا

۲۰) آتش نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ الفاظ سے تلوار کا کام لے سکتے ہیں:

جی ہاں آتش کا دعویٰ درست ہے اور میں ان کے معجز بیانی سے متاثر ہو کہ وہ واقعی ایسا کر سکتے ہیں یہ دعویٰ اس شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ:

ابھی سیف زبان سے لوں میں کار ذوالفقار آتش
کوئی کافر ہو جو سن کر مری معجز بیانی کا

۲۱) آتش ملائم لہجے کے علاوہ کس چیز آتش کی غزل کو دل خوش کن، بنایا ہے:

آتش کی ردیفوں کی ہیئت نے، جس سے صوت کے علاوہ معنی متاثر ہوتی ہے ان کی ردیفوں کے زور سے معانی کی جو خاص شیرازبندی ہوتی ہے اس میں بھی آرزومندی اور تمنا کا آثر پایا جاتا ہے۔ جیسے۔

دل بے تاب کو فریاد و فغاں کرنے دو
پہلے غمازی کو قصہ بیاں کرنے دو

۲۲) بھرپور اور زوردار مطلع آتش کی شاعری:

آتش کے فن کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کی غزل کا آغاز بہت بھرپور اور زوردار طریقے سے ہوتا ہے اپنی فنی مہارت سے مطلع سجا دیتے ہیں کہ قاری کی توجہ جذب ہونے لگتی ہے۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا
ع ظہور آدم خاکی ہے ہم کو یہ یقین آیا

۲۳) آتش کی انفرادیت:

آتش کی غزل میں جو سپاہیانہ للکار، معرکہ آرائی، بلندی آہنگ اور آتش نوائی ملتی ہے وہ شعرائے کرام کی تمام مانوس آوازوں سے مختلف اور الگ ہے۔ انہوں نے غزل کی عام تشبیہات اور پامال استعارات سے ہٹ کر براہ راست تغزل کا جادو جگایا۔ غزل کی علامت کو اپنا ایک نیا مزاج اور آہنگ دیا۔ آتش کا کلام اپنے مخصوص لب ولہجہ اور انفرادی انداز بیان کی وجہ سے صاف پہچانا جاتا ہے۔

ع سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
ع بیا مہر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا

آتش کے انفرادی رنگ کا ثبوت وہ بے شمار اشعار ہیں جو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

ع بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے
ع میں جانی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا
ع ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا
ع بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

۱۴) آتش کا تصورِ محبوب:

آتش کا محبوب ہماری دنیا کا جیتا جاگتا انسان ہے کوئی تخیلی مخلوق نہیں جو خود بھی محبت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کی محبت میں ہوسنا کی نہیں بلکہ اس میں سچائی اور خلوص کی آنچ موجود ہے۔

خواہاں ترے ہر رنگ میں اے یار ہمیں تھے
یوسف تھا اگر تو تو خریدار ہمیں تھے

ع چمن میں شب کو جو وہ شوخ بے نقاب آیا

۱۵) آتش اخلاقی شاعری کا بادشاہ:

ع وفا سرشت ہوں شیوہ ہے راستی میرا

عجب نعمت عطا کی ہے خدا نے اہل غیرت کو
عجب یہ لوگ ہیں غم کھا کے دل کو شاد کرتے ہیں

باب نمبر 9
(فراق گورکھپوری)

۱) فراق کا تصورِ عشق:

فراق کا تصورِ عشق روایتی تصورِ عشق سے تھوڑا مختلف ہے۔ اس میں "بدگمانی" اور "خودداری" نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ باقی شعرا کے تصورِ عشق کی بنیادی خصوصیات نہیں اور فراق کے ہاں یہ بنیادی خصوصیات ہیں جو باقی شعرا کے تصورِ عشق سے منفرد تصورِ عشق خیال کیا جاتا ہے؟

کسی کے کمل کے ملنے سے گزرتے ہیں گماں کیا کیا
تمنا ہے کہ ملتا مجھ سے کوئی بدگماں ہو کر

۲) فراق گورکھپوری کی محبت کے جذبات:

پھر آج اشک آنکھوں میں کیوں ہیں آئے ہوئے
گزر گیا ہے زمانہ تجھے بھلائے ہوئے

۳) فراق کا چھوٹی بحروں کا عمدہ استعمال:

یہ شیرازہ دل کا ہے عالم
یکجا یکجا برہم برہم

نوٹ: یہ شعر صنعت تکراری کی بھی عمدہ مثال ہے۔

۴) فراق کے سہل ممتنع کی ایک مثال:

سہل ممتنع سے مراد یہ کہ وہ شعر یا بات یا موضوع جو بہ ظاہر آسان معلوم ہو مگر اس کا مطلب اور مثال بنانا مشکل ہو۔

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

۵) فراق کا استعارات و تشبیہات کا استعمال:

فراق کی تشبیہ محسوسات کی تشبیہ ہے۔

یہ تیرگی یہ ابتری یہ نکہتیں یہ مستیاں
کہ کھل پڑی ہو جس طرح وہ زلف عنبریں کہیں

۶) فراق کے ہاں آفاقیت کے نمونے:

بہت دنوں میں محبت کو یہ معلوم ہوا
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی

:۷ فراق کے ہاں عارفانہ جھلک:

دل میں کچھ غم ہے کچھ سرور بھی ہے
کوئی نزدیک بھی ہے دور بھی ہے

۸) فراق کا ہندی الفاظ کا عمدہ استعمال:

فراق کے ہاں مقامی رنگ موجود ہے۔

ے کھڑی دوپہر کورا روپ
کالے بال بھری برسات

۹) فراق نے جذبات محبت کی خوب ترجمانی کی ہے:

ے سنا تو ہے کہ کبھی بے نیاز غم تھی حیات
دلائی یاد نگاہوں نے تیری کب کی بات

۱۰) فراق کے عالمانہ نظر اور مطالعہ:

فراق مشرقی، مغربی ادب پر عالمانہ نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے معاصر ادب سے بھرپور استفادہ کیا ہے آریائی اور دیومالائی ثقافت ان کو ورثے میں ملی۔ ان کی تجسس اور ذوق نے انہیں مغربی، ایرانی، ہندوستانی کلچر کا محرم بنادیا اور ان زبانوں اور تہذیبوں کے ملے جلے اثرات نے ان کی ذہن اور دل کی گہرائیوں میں اتر کر ان کی شاعری میں اپنا اظہار کیا۔

ے سنا تو ہے کہ کبھی بے نیاز غم تھی حیات
دلائی یاد نگاہوں نے تیری کب کی بات

۱۱) فراق کی شاعری:

فراق کے یہاں زندگی اور ادب کا گہرا شعور ملتا ہے۔ انہوں نے فارسی اور اردو شاعری کا بڑا عمیق مطالعہ کیا جس نے ان میں ایک نہایت شستہ رچاؤ اور پختہ ادبی ذوق پیدا کردیا ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیات حسن پایا جاتا ہے۔ خود فراق نے اعلیٰ شاعری کی تخلیق کے لیے جن باتوں کو ضروری بتایا وہ ان کے یہاں پوری طرح موجو ہیں۔ غزل کو تہذیب ادب کا ایک معجزہ قرار دیا ہے۔

ے کھڑی دوپہر کورا روپ
کالے بال بھری برسات

۱۲) فراق نے کس ملک کی تہذیب کا بڑا کارنامہ اور معجزہ "غزل" قرار دیا ہے:

ایران، وہ کہتے ہیں کہ غزل کی ایجاد جمالیات کی تاریخ میں اتنا بڑا معجزہ ہے کہ اگر تہذیب ایران کے اور تمام کارنامے بھلا دیے جائیں تو بھی یہ تنہا ایجاد ایران کے مہذب وجدان کے روایات واثرات کو زندہ جاوید بنانے کے لیے کافی ہے۔

۱۵) فراق غزل کے علاوہ:
رباعیاں اور نظمیں بھی لکھی ہیں۔

۱۶) فراق کی شاعری اردو شاعری کی روایات:
فراق نے جس دور میں آنکھ کھولی اور اس کے فکر و شعور کی جس فضا میں تعمیر ہوئی وہ ماضی سے بہت مختلف تھا۔ اب "صرف تصور جاناں کیے ہوئے اور کسی در پر پڑے رہنا" ممکن نہ تھا۔ اب زمانے نے غم جاناں کے ساتھ غم دوراں اور غم دل کے ساتھ غم روزگار کو بھی زندگی کا جزو بنا دیا تھا اور یہ اردو شاعری کی روایات کے خلاف ایک نئی روز تھی جو فراق کے ہاں مکمل طور پر موجود ہے۔ فرماتے ہیں۔

عمر فراق نے یوں بسر کی
کچھ غم جاناں کچھ غم دوراں

۱۷) سادگی و پرکاری میں فراق کا شعر:

دیکھ محبت کا یہ عالم
ساز بھی کم کم سوز بھی کم کم

۱۸) فراق کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت:

ع سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں

بہت دنوں میں محبت کو یہ ہو معلوم
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی

۱۹) فراق کے ہاں بے اعتدالی اور ابتذالی:

یہ مانا خوب ہے وہ تیزگی حسن مگر
اب آ گئے ہو تو آؤ خراب ہی کر دیں

۲۰) فراق کا تصور عورت:

نہ کوئی وعدہ نہ کوئی یقیں نہ کوئی امید
مگر ہمیں تو ترا انتظار کرنا تھا

ع خرام ناز نے فتنے اٹھائے ہیں کیا کیا

باب نمبر 10

احمد فراز

۱) احمد فراز شاعرِ عوام و خواص:

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

(یہ مکمل غزل اس حوالے سے اہم ہے)

۲) فراز کا تصورِ عشق:

فراز کے تصورِ عشق میں حقیقت پسندی کو بڑا دخل ہے وہ اپنی تعریف اور محبوب کی بے وفائی بیان کرنے کی بجائے خود اپنے اوپر طنز کرتے ہیں جو ان کے تصورِ عشق کا خاصا ہے۔ احمد فراز کی شاعری کا خمیر عشق مجازی سے اٹھا ہے جو فراز کے یہاں ایک قوت کے طور پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری کا مرکزی خیال عشق مجازی ہی ہے ۔ وہ عشق میں خود کو لٹا دینے کا درس دیتا ہے فراز کہتے ہیں کہ جس پر چل خدا تک بھی پہنچا جا سکتا ہے دنیاوی اذیتوں اور مصیبتوں کو عشق کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں، عشق فراز کے وجود کا ایسا حصہ ہے جس میں دشمن بھی اسے اپنا معلوم ہوتا ہے۔ فراز کے عشق میں صداقت اور بے باکی بھی موجود ہیں۔

عشق ہے نام انتہاؤں کا
اس سمندر میں اعتدال کہاں

محبت اپنا اپنا تجربہ ہے
یہاں فرہاد و مجنوں معتبر نہیں

ع لٹ چکے عشق میں اک بار تو پھر عشق کرو

اس کے علاوہ فراز کے تصورِ عشق کے دو پہلو اور بھی ہیں کبھی محبت میں توحید کے قائل ہو جاتے ہیں کبھی ایک محبت میں عمر بسر کرنے کے خلاف ہے۔

ع ہم محبت میں بھی توحید کے قائل ہے فراز
ع ایک محبت میں کیا عمر بسر ہوتی ہے

۳) فراز نے دشمنی جیسے رشتوں میں بھی عشق کا پہلو:

میں کیا کروں مرے قاتل نہ چاہنے پر بھی
ترے لیے مرے دل سے دعا نکلتی ہے
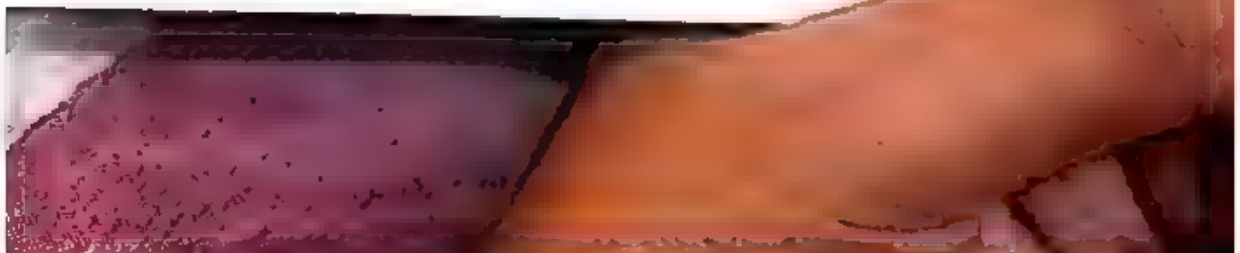
ع دشمن جاں جان سے پیارا بھی کبھی تھا

ع میں کیا کروں مرا دشمن مجھے برا نہ لگا

ع آ گلے تجھ کو لگا لوں میرے پیارے دشمن

۴) احمد فراز کے تصورِ عشق کی خوبی:

وہ عشق میں اپنی تعریف کے پل باندھنے اور محبوب کی بے وفائی اور دل سوخت لکھنے کی بجائے اپنے اوپر فخر کرتے ہیں اور یہی خوبی انہیں اپنے ہم عصروں سے الگ مقام عطا کرتا ہے۔

ع کہتا ہو سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ے اس کا کیا ہے تم نہ سہی تو چاہنے والے اور بہت
ترک محبت کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے

نوٹ: یہی ان کا تصورِ عشق بھی ہے۔ جو حقیقت پسندی پر مبنی ہے۔

۵) فراز کا تصورِ محبوب:

فراز کا محبوب اعتدال پسند ہے نہ ظالم ہے نہ وفادار، زخم دیتا ہے مگر مرہم لگانے کا فن بھی جانتا ہے اس دنیا کا گوشت پوست انسان ہے حسرت اور فراق نے غزل جس محبوب کو رائج کیا تھا اس کی مکمل شکل فراز کے ہاں ملتا ہے۔

ے چارہ گریوں تو بہت ہیں مرا اے جان فراز
جز تیرے اور کوئی زخم نہ جانے میرے

ع وہ چارہ گر تو ہے اس کو خیال جو بھی ہو

فراز کا محبوب اتنا حسین ہے کہ جو بھی دیکھتا ہے۔ اسی کا ہو جاتا ہے۔ فراز نے اپنے محبوب کے حسن و جمال کی خوب سے خوب تر تعریف کی ہے۔

ع پھر بھی لاوے کوئی دوست ہمارے کی مثال

ع زلف راتوں سی ہے رنگت ہے اجالوں جیسی

فراز کا محبوب محل میں رہنے والی شہزادی نہیں بلکہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والی ایک بھولی دار دوشیزہ۔ جو عشق کے [illegible] و غم سے واقف ہے۔ جو عشق تو کرتی ہے مگر جرات اظہار نہیں۔

ع تو نہ مانے گا مگر خلوت دل میں تیری

۶) فرازاردوشاعری کے تصورعشق میں نیا اضافہ:

دو نئے اضافے کیے ایک اردو شاعری کا محبوب ہمیشہ ظالم اور عاشق مظلوم رہا ہے۔مگر فراز کا محبوب اعتدال پسند ہے نہ جفا کار نہ وفادار۔دوسرا اضافہ یہ کہ کہ پہلی بار اردو شاعری کو بتایا کہ صرف معشوق بے وفا نہیں ہوتا عاشق بھی بے وفا اور منافق ہوتا ہے۔جیسے کہ:

دل منافق تھا شب ہجر میں سویا کیسا
اور جب تجھ سے ملا ٹوٹ کے رویا کیسا

ہمیشہ کے لیے مجھ سے بچھڑ جا
یہ منظر بارہا دیکھا نہ جائے

۷) آپ کو احمد فراز کی کون سی غزل پسند:

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

وجہ:اس لیے مجھے یہ غزل پسند ہے کہ ایک تو یہ حقیقت پرمبنی ہے کوئی خیالی تصور اس میں نہیں دوسری وجہ یہ کہ یہ غزل عوام اور خواص دونوں کے بیے ہے اوا اسی غزل سے فراز شاعر عوام وخواص ٹھہرے جو ان کی عظمت کی ایک دلیل ہے

۸) احمد فراز کا پہلا اور آخری مجموعہ:

پہلا مجموعہ ''تنہا تنہا'' اور آخری ''اے عشق جنوں پیشہ'' ہے

۹) احمد فراز کے کل شعری مجموعے:

کل چودہ مجموعہ ہیں تنہا تنہا، دردآشوب۔شب خون، نایافت، میرے خواب ریزہ ریزہ، بے آوازگلی کوچوں میں اور جاناں جاناں وغیرہ

۱۰) احمد فراز کا بیٹا پی ٹی آئی کی طرف سے وزیر:

شبلی فراز وزیر اطلاعات

۱۱) فراز کا ادبی تحریکوں سے وابستگی:

پروگریسو رائٹر موومنٹ اور ڈیموکریٹک موومنٹ۔

۱۲) فراز کو اعزازات ملے:

ہلال امتیاز، ستارہ امتیاز، نگار ایوارڈ

۱۳) فراز کی شاعری کا بنیادی موضوع:

عشق اور تحریک مزاحمت

۱۴) فراز کی نسل:

ہندکو سید پشتون

۱۵) فراز کون سے جماعت میں تھے جب ان کا پہلا مجموعہ شائع ہوا:

بی اے

۱۶) پاکستان کے علاوہ فراز کا کلام:

علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا میں

۱۷) فراز نے ایک جنرل کے دور میں مارشلا کے خلاف نظمیں لکھیں اور جلاوطن ہوئے:

جنرل ضیاء الحق

۱۸) فراز کی شاعری عصر حاضر کی آواز:

سماجی حقیقت بیان کرنا، عصری مسائل ور الجھنیں بیان کرنا، حق کی بات اور جابر کے خلاف آواز بلند فراز کی شاعری کا خاصہ اور ان کی عصری شعور کا مکمل ثبوت ہے۔

جو حرف حق تھا وہی جا بجا کہا سو کہا
بلا سے شہر میں مرا لہو بہا سو بہا

ہونٹ سل جائیں مگر جرات اظہار رہے
دل کی آواز مدہم نہ کرو دیوانو

اب لہو بولے گا تلوار کو کیا بولنا ہے
مرے ضمیر نے قاتل کو نہیں بخشا

میں کیسے صلح کروں قتل کرنے والوں سے
اطیب شہر ہے برہم میرے سوالوں سے

(۱۹) احمد فراز رجائیت کے شاعر:

لہو روئے ہیں تو گلنار شفق پھوٹے گی

آنسو بوئے ہیں تو ہم کاٹیں گے خورشید اب کے

(۲۰) فراز کے ہاں غم جاناں اور غم دوراں کا حسین امتزاج:

فراز کی شاعری حسن وعشق کے علاوہ غم دوراں کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔اور کئی جگہوں پر دونوں یعنی غم جاناں اور غم دوراں کو ایک لڑی میں خوب پرو دیا ہے۔وہ وطن کے مظلوں کا شاعر ہیں

امیر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے

کبھی بحیلہ مذہب کبھی بنام وطن

غم دنیا بھی غم یار میں شامل کر لو

نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں

(۲۱) احمد فراز ترقی پسند شاعر:

بہ قول پروفیسر سہیل احمد "فراز ذہنی طور پر مکمل ترقی پسند تھے لیکن دلی طور پر رومانیت کو اپنایا"

جی ہاں، فراز ایک ترقی پسند شاعر تھے۔عصر حاضر کے تمام مسائل، حق اور جبر کے موضوعات، غم جاناں کے ساتھ غم دوراں کے تمام واقعات ان کی شاعری کا حصہ ہے۔

ہے ترش رو مری باتوں سے صاحب منبر

خطیب شہر ہے برہم میرے سوالوں سے

ع امیر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے

ع مگر یہ مفتی یہ واعظ یہ محتسب یہ فقیہ

(۲۲) احمد فراز اپنے ہم عصر ترقی پسند شاعر:

ایک ترقی پسند شاعر ہونے کے ناطے وہ انسانی زندگی کی بدحالی دیکھ کر مایوس نہیں ہوتے نہ ہی گھبرا جاتے ہیں بلکہ وہ انسان کے درخشاں مستقبل کو پر امید نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور میرے خیال میں یہی وجہ ہے جو اسے دیگر ترقی پسند شعراء سے الگ مقام عطا کرتا ہے۔

ہمیں کو توڑنے ہوں گے صنم قدامت کے

ہمیں کو اب نیا انسان ڈھالنا ہوگا

۲۳) "پس انداز موسم" فراز کا شعری مجموعہ:

بچا ہوا، باقی ماندہ وغیرہ

۲۴) احمد فراز کے منظوم ترجمہ کی تصنیف کا نام:

"سب آوازیں میری ہیں"

۲۵) وطن، معاشرے اور ساجی دھرتی کے ضمیر فروشوں کے متعلق:

؎ غرور جاں کو میرے یار بیچ دیتے ہیں
قبا کے حرص میں دستار بیچ دیتے ہیں

؎ یہ لوگ کیا ہیں کہ دو چار خواہشوں کے لیے
تمام عمر کا پندار بیچ دیتے ہیں

۲۶: احمد فراز کے شعری اسلوب:

چھوٹے لفظوں میں بڑی دنیا بسانا احمد فراز کے اسلوب کا خاصہ ہے فراز کے شعری اسلوب میں روایت اور بغاوت دونوں کا امتزاج ہے، بیدل، غالب اور میر کے طرز پر غزلیں کہیں۔ نظموں میں پختگی متانت اور بہاؤ ہے۔

؎ ہر جسم داغ داغ تھا لیکن فراز ہم
بد نام یوں ہوئے کہ بدن پر قبا نہ تھی

فراز کی ہاں سادگی۔ شیرینی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ موسیقیت عروج پر ہے۔ اچھوتا لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔

۲۷: احمد فراز کی شان میں نظم لکھی:

قمر رئیس نے

باب نمبر 11
(ناصر کاظمی)

۱) ناصر کاظمی نے میر کے علاوہ دیگر شعرا کا اثر:

حفیظ ہوشیار پوری، غالب، اقبال، مصحفی، فراق، فیض، جگر اور اختر شیرانی کا

۲) ناصر کاظمی کی شاعری کی اکائی:

ناصر کی شاعری کی اکائی "فطرت پسندی" ہے۔

ناصر کاعلمی یا لازی عنصر:

۱) معاشرتی بے مہری اور تنہائی کے موضوع کے عشق میں احوال کر پیش کرنا۔

ناصر کی شاعری/کالی فطرت پسندی ہے کے حوالے سے کوئی ایک شعر:

۱) جب تیز ہوا چلتی ہے بستی میں سر شام
برساتی ہیں اطراف سے پتھر تیری یادیں

ع کسی کلی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے

۱) ناصر کے ہاں شاعرانہ تعلّی:

ے ہم نے آباد کیا ملک سخن
کیا سنساں تھا پہلے

ے ڈھونڈیں گے لوگ مجھ کو ہر محفل سخن میں
ہر دور کی غزل میں میرا نشاں ملے گا

۱) "اداسی" اور "تنہائی" ناصر کے کلام کے بنیادی عناصر ہیں۔ اس حوالے سے کوئی شعر پیش کریں:؟

جواب:۔

ے ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

ے دل تو میرا اُداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

ے اتنی خلقت کے ہوتے
شہروں میں ہے سناٹا

۱) ناصر نے چودہ سال کی عمر میں متاثر ہوئے:
اختر شیرانی۔ شیرانی کے طرز پر نظم لکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ سانیٹ بھی لکھے

۱) ناصر شاگرد رہے:
حفیظ ہوشیار پوری۔ اس شاگردی کے نتیجے میں انہیں نظم کی بجائے غزل کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

۹) ناصر کاظمی کی غزل کا خمیر:

خارجی عوامل (بدلتے موسم، چاند تارے پھول سبزہ وغیرہ) اور داخلی عوامل (جذبہ، واحساس اور احساس میں خاص کر غم، اداسی تنہائی، نامرادی اور یادوں) سے ناصر کی غزل کا خمیر تیار ہوا ہے۔

۱۰) ناصر کاظمی کی غزل کا سب سے بڑا کمال:

ناصر کی غزل کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ روایت کے شدید احساس کے باوجود بھی روایتی شاعر نہ بنے۔ ان کے کلام کا سب سے بہتر حصہ وہ ہے جہاں اردو غزل کی عظیم روایت کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود ناصر کاظمی نے پاکستان تو کیا پورے برصغیر کی غزل کو نئے راستوں سے آشنا کیا۔

بہت ہی سادہ ہے تو اور زمانہ ہے عیار
خدا کرے کہ تجھے شہر کی ہوا نہ لگے

۱۱) "ہجرت" ناصر کی شاعری کا اہم موضوع:

"ہجرت" ناصر کا وہ سفر ہے جس میں ناصر کو مجبوراً انبالہ چھوڑنا پڑا چوں کہ وطن کی حیثیت ایک ماں کی طرح ہوتی ہے اور ماں سب کو پیاری ہوتی ہے۔ اس پیار کو ناصر نے اپنے جی کا روگ بنایا۔ جب انسان پر ایسا وقت آتا ہے کہ اپنے کے لیے مکان تک نہ ملے لاکھوں لاشوں پر گزر کر جان بچائی ہو۔ عورتوں کی عظمتیں لوٹی گئیں ہوں سب کچھ لٹا کر ایک نئے وطن میں آیا ہوا ایسے میں ایک حساس فرد جو کچھ محسوس کر سکتا وہی ناصر نے بھی محسوس کیا اور شاعری کا حصہ بنایا۔

رونقیں تھیں جہاں میں کیا کیا کچھ
لوگ تھے رفتگاں میں کیا کیا کچھ

انہیں صدیوں نہ بھولے گا زمانہ
یہاں جو حادثے کل ہو گئے

ع وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں
ع پرانی صحبتیں یاد آ رہی ہیں

۱) "اداسی" اور "تنہائی" ناصر کے اہم موضوعات:

ہمارے گھر کے دیواروں پہ ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

ع دل تو میرا اداس ہے ناصر
ع اتنی طاقت کے ہوتے

(۳) ناصر سے لوٹ و بے نوا اور اجنبی مسافر:

وہ رات کا بے نوا مسافر، وہ تیرا شاعر، وہ تیرا ناصر
ترى گلی تک تو ہم نے دیکھا تھا پھر نہ جانے کدھر گیا وہ

ع انھالہ ایک شہر تھا سنتے ہیں اب بھی ہے
ع مجھے تو خیر وطن چھوڑ کے اماں نہ ملی

(۴) ناصر یادوں کا شاعر:

پرانی صحبتیں یاد آرہی ہیں
چراغوں کا دھواں دیکھا نہ جائے

اس قدر رویا ہوں تیری یاد میں
آئینے آنکھوں کے دھندلے ہوگئے

بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

ع جو پچھلی رات سے یاد آرہا ہے

(۵) ناصر کے ہاں زمانے کے بے قدری:

نئی دنیا کے ہنگاموں میں ناصر
دبی جاتی ہیں آوازیں پرانی

اک نیا دور جنم لیتا ہے
اک تہذیب فنا ہوتی ہے

(۶) ناصر کا کلام غموں اور اداسیوں کا مجموعہ:

مثال

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

ع یہ بجا ہے آج اندھیرا ہے ذرا رُت بدلنے کی دیر ہے

۱۷) "ناصر وہ یادِ ماضی" کے شاعر:

ع وہ کوئی دوست تھا اچھے دنوں کا

ع اس قدر رویا ہوں تیری یاد میں

بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بھی بہت روئے وہ جب یاد آیا

۱۸) ناصر رومانوی شاعر:

حال سے کٹ کر ماضی میں چلے جانے کے عمل کو یاد کہتے ہیں۔ گویا یاد ایک رومانی پہلو کا حامل امر ہے۔ اس بات کو جواز بنا کر ہم ناصر کو ایک رومانوی شاعر کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ اس کے فن کا مکمل تاثر نہیں ہے۔ ماضی کی یادوں میں کھو جانے کے

عمل کو رومانی رنگ اس وقت دیا جا سکتا ہے۔ جب حال میں ناآسودگی، بے چینی اور تلخی ہو لیکن ماضی میں اجالوں کا جھلمل ہو جب کہ ناصر کے ماضی میں تلخ و شیریں یادوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ اس لیے ناصر کاظمی کا فن رومانیت کی اصطلاح سے دور ہے۔

۱۹) ناصر نے پوری زندگی کو شاعری میں تحلیل کر دیا:

ہم نے بخشی ہے خموشی کو زباں
درد مجبور فغاں تھا پہلے

ع ہم نے روشن کیا معمورۂ غم

ناصر کا خیال تھا کہ شعری رویوں کا حاصل خود کو مسلسل خرچ کرتے رہنا ہے جو شاعر کامیاب زندگی بسر کرتے ہوئے خود کو خرچ نہیں کرتے بلکہ "پس انداز" کرتے رہتے ہیں اور ناصر اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ فضول خرچ واقع ہوئے تھے۔ اسی لئے محض ۴۶ برس میں ہی بالکل خرچ ہو گئے تھے۔

نت نئی سوچ میں لگے رہنا
ہمیں ہر حال میں غزل کہنا

۲۰) شب بیداری ناصر کی شاعری کا اہم موضوع:

رات بھر جاگتے رہتے ہو بھلا کیوں ناصر
تم نے یہ دولت بیدار کہاں سے پائی

ع وہ رات کا بے نوا مسافر وہ تیرا شاعر وہ تیرا ناصر

۲۱) غم روزگار یا غم دوراں ناصر کاظمی کے کلام کا اہم موضوع:

ناصر زندگی بھر غم دوراں کے شکار رہے۔

ذرا سی دیر ٹھہر نے دے اے غم دنیا
بلا رہا ہے کوئی بام سے اتر کے مجھے

ع ایسا الجھا ہوں غم دنیا میں

۲۲) ناصر کا تصور عشق:

ناصر کا تصور عشق اردو شاعری کے روایتی تصور سے الگ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات اپنے پہلے عشق اور محبوب سے بے زاری کا اظہار بھی کرتے ہیں اور کسی نئے چہرے کی تلاش میں گم بھی ہو جاتے ہیں۔یعنی ایک طرف عشق سے توبہ تو دوسری طرف نئے عشق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اس کے علاوہ عشق سے زیادہ غم عشق کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

یہ کیا کہ ایک طور سے گزرے تمام عمر
جی چاہتا ہے اب کوئی تیرے سوا بھی ہو

ع اتنے ہجوم میں کوئی چہرہ نیا بھی ہو

۲۳) ناصر کا غم عشق کے حوالے سے:

ناصر حسن سے زیادہ عشق اور عشق سے زیادہ غم عشق کا شاعر ہے۔وہ ایک ایسی محرومی کا نوحہ خواں ہے جس کے سلسلے ناکامیوں سے مربوط ہیں،اداسی اور افسردگی نے ان کے عشق کو غم عشق بنا دیا ہے

دل دکھاتا ہے وہ مل کر بھی مگر آج کی رات
اسی بے درد کو لے آؤ کہ کچھ رات کٹے

ع پھرتی ہیں تصور میں کھلے سر تیری یادیں

۲۴) ناصر اور میر میں مماثلتیں:

ناصر نے شعوری اور لاشعوری دونوں صورتوں میں میر استفادہ کیا ہے۔جس کی وجہ اس دور کے حالات و واقعات اور خاص طور پر ناصر کا مزاج ہے۔دونوں کی مماثلتیں حسب ذیل ہے

(۱) حوادث زمانہ میر اور ناصر نے اپنے اپنے زمانے اور وطن کے حالات،حادثات اور سانحات

بہترین انداز میں قلم بند کیے ہیں۔ میر دہلی کا رونا روتے ہیں تو ناصر تقسیم ہند کے فسادات اور ابتلا اور ہجرت جیسے غم واقعات کا رونا روتے ہیں۔ میر فرماتے ہیں۔

دل کی ویرانی کا کیا مذکور
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

جب کہ ناصر کاظمی فرماتے ہیں:

انہیں صدیوں نہ بھولے گا
یہاں جو حادثے کل ہو گئے

(۲) قدرتی کا احساس:

دونوں کے ہاں موجود ہیں

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

(میر)

نئی دنیا کے ہنگاموں میں ناصر
دبی جاتی ہیں آوازیں پرانی

(۳) دنیا کی بے ثباتی:

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

(میر)

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

(ناصر کاظمی)

[illegible]

دل لہو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تک

(میر)

ع شام رات سلگتے ہیں دل کے ویرانے (ناصر)

۔ پاس ناموس عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے (میر)

۔ رونا آتا ہے ہمیں بھی لیکن
اس میں توہین وفا ہوتی ہے

(ناصر)

اس کے علاوہ کچھ صنعتیں بھی ہیں

(۱) یکساں الفاظ کا استعمال:

۔ نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے (میر)

۔ کس کے جلووں کی دھوپ برسی ہے
آج تو شام بھی سحر سی ہے (ناصر)

(۲) تکرار لفظی:

ع پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے (میر)

ع یہ بیٹھے بیٹھے مجھے کن دنوں کی یاد آئی (ناصر)

(۵) ناصر نے ایک کتاب لکھ کر مسلسل غزل کا ایک نمونہ پیش کیا [illegible]
نام بتائیے

(۶) ناصر کاظمی نے شعری مجموعے [illegible]

۳۴) چالاکی و ہوشیاری کا رنگ ناصر کے ہاں:

ع دائم آباد رہے گی دنیا

۳۵) ناصر کے کلام میں تشبیہ کے ایک مثال:

دل کا یہ حال ہوا تیرے بعد
جیسے ویران سرا ہوتی ہے

۳۶) ناصر قنوطی شاعر:

ناصر کی غزلوں میں یاسیت کا عنصر موجود ہے لیکن یہ رجحان قنوطیت کی حدود کو نہیں چھوتا۔ وہ غم میں ڈوب کر غزل کہتے ہیں مگر خود کو مکمل غم کے حوالے نہیں کرتا اور اچھے وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ اسے قنوطیت کی بجائے رجائیت اور امید کی کرن نظر آتی ہے۔

ع وقت اچھا بھی آئے گا ناصر

۳۷) ناصر کے کلام میں صنعت تلمیح:

وہ ساحلوں پہ گانے والے کیا ہوئے
وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے

ع میں اسیر شام و عجم نہیں میں کبیر کوفہ و رے نہیں

ع جیسے بلقیس سلیماں کے محل میں آئے

۳۸) ناصر کاظمی کا کوئی شعر:

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

ع ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصر

ع دائم آباد رہے گی دنیا

۳۹) ناصر کے کلام میں غالب کا رنگ:

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی اب یاد آیا

اور ایک نثری کتاب "خشک چشمے کے کنارے" مضامین کا مجموعہ بھی شامل ہے۔

۲۷) ناصری شعرا کا انتخاب:

انتخاب میر، انتخاب نظیر، انتخاب ولی، انتخاب انشاء،

۲۸) ناصر نے کن رسائل کی اولیت کی:

اوراق نو، ہمایون، خیال اور ہم لوگ وغیرہ

۲۹) ناصر کی تاریخ پیدائش اور وفات:

جواب:۔ پیدائش یکم دسمبر ۱۹۲۵ انبالہ ہندوستان وفات ۲ مارچ ۱۹۷۲ لاہور۔

۳۰) ناصر کاظمی کے ہاں سیاسی حوالے:

؎ او میرے مجبور معروف خدا
اپنی دنیا دیکھ ذرا

؎ فصلیں جل کر راکھ ہوئیں
نگری نگری کال پڑا

ع انبالہ ایک شہر تھا سنتے ہیں اب بھی ہے

ع اتنی خلقت کے ہوتے

۳۱) ناصر کاظمی نے بعض بہترین لفظیات کا عمدہ استعمال:

دریا، جرس، جنگل، صحرا، شام، بستی وغیرہ

۳۱) ناصر کاظمی کے تغزل:

ع کچھ یادگار شہر ستم گر ہی لے چلے

۳۲) ناصر کے ہاں فراق کا رنگ نمایاں:

؎ میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستاں میں
جگا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے

۳۳) ناصر کاظمی کے ہاں کیفیت نمائی کا انداز:

ع میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستاں میں

۴۰: جگر کا رنگ ناصر کے کلام میں:

ے عشق جب زمزمہ پیرا ہوگا
حسن خود محو تماشا ہوگا

۴۱) ناصر کے زمانے میں اردو شاعری کلاسکی رومانیت کے زیر اثر:

ناصر کی غزل میں ایک نیا تجربہ ہے و ردات کا حسین مرقع اور آپ بیتی ہے۔ ناصر رومانیت سے متاثر ضرور ہوئے مگر ان کی غزلوں میں رومان سے زیادہ حقائق زندگی اور سماجی ارتعاشات کا عکس ہے۔

ے اک طرف جھوم کے بہار آئی
اک طرف آشیاں جلائے گئے

۴۲) ناصر نے غزل میں کامیاب تجربے:

ماضی اور حال کی زندگی کا تقابل اپنی غزلوں میں پیش کیا۔ ایسے اشعار تخلیق کیے جو جیتے جاگتے انسان کی روزمرہ زندگی اور اس کے داخلی خارجی مسائل سے گہرا ربط رکھتے ہیں۔ غزلوں میں گاؤں کے بجائے شہری زندگی کی عمدہ عکاسی کی ہے۔

ے دل تو میرا اداس ہے ناصرؔ
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

ع آج غربت میں بہت یاد آیا

۴۳) ناصر کے ہاں فیض کا رنگ:

ے چلے تو ہیں جرس گل کا آسرا لے کر
نہ جانے اب کہاں نکلے گا صبح کا تارا

۴۴) ناصر کاظمی کے ہاں فلسفہ:

اداسی، تنہائی کی کیفیتوں اور ان سے پیدا ہونے والی فضا کو بیان کرنے میں ناصر کو ملکہ حاصل ہے۔ ایک حساس شاعر ہیں، غزلوں میں نرم و نازک خیالات بہ کثرت ملتے ہیں مگر کوئی فلسفہ یا گہرے تصورات نہیں۔

۴۵: ناصر کی تصنیف "برگ نے" میں غزلوں کا رنگ:

"برگ نے" کی غزلوں میں تخیلاتی فضا نہیں بلکہ حقائق کا اظہار ہے۔ اپنی یادوں کو مخصوص تہذیبی رنگ دیا ہے یعنی ۱۹۴۷ء کے فسادات اور واقعات کی چھاپ ہے۔ الغرض اس میں ماضی کی مرثیہ ہے۔

ناصر کے مجموعے "برگ نے" میں غم ماضی:

(۴۶) ناصر کے مجموعے "دیوان" میں جذبات محسوسات ہیں۔ اس میں غزلیہ شاعری نے ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں۔ دیوان کی غزلوں کی زبان منفرد ہے۔ ان میں ناصر کا تجربہ، فکر، جذبہ اور اسلوب بلند مقام پر ہے۔

باب نمبر 12

فانی بدایوانی

تعارف:

قنوطیت یا یاسیت کا امام:

فانی بدایوانی کو قنوطیت یا یاسیت کا امام کہا جاتا ہے۔ عشقیہ شاعری میں ہجر اور اداس کارفرما ہے۔ وصال نہیں ہجر ہی ہجر ہے۔

غم بھی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

غموں کا عادی: غم روزگار، اپنوں کی بے رخی، شاعری کا کوئی قدردان نہ ہونا، انقلاب زمانہ سے بربادی اور حالات سے شکست خوردہ اور غموں کا عادی ہیں۔

ع زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

فانی کے کلام کے دو روپ:

فانی کے کلام کے مطالعے سے دو روپ سامنے آتے ہیں۔ ایک غموں کو انگیز کرنے والا یعنی غموں کا عادی دوسرا حالات سے شکست خوردہ یعنی ہر طرف مایوسی ہی مایوسی۔

عشقیہ شاعری میں فلسفے کی گہرائی:

فانی کی غزل میں اگر انصاف سے دیکھا جائے تو عشقیہ شاعری میں وہ اپنے ہم عصر حسرت موہانی سے بلند مرتبے پر ہے کیونکہ انھوں نے عشقیہ شاعری میں فلسفیانہ بلندی کی گہرائی پیدا کی۔

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانی
کیا کرو گے وہ اگر یاد آیا

جوش کا فانی کی شاعری کے بارے میں رائے:

فانی کے ساتھ سب سے زیادتی جوش نے کی۔ انہوں نے فانی کو بیوہ عام، سوز خواں اور انسانیت سے گرا ہوا شاعر قرار دیا۔ فانی کی شاعری میں تلخی ہے۔ تیز ابیت ہے۔ تنگ دامنی ہے۔ مگر اس کے علاوہ فانی کے اکثر اشعار میں شعریت اور صداقت ہے۔ وہ شاعری میں افادیت کے قائل نہیں۔ فن برائے فن کے قائل ہیں۔

یاس یگانہ چنگیزی عظیم آبادی

تعارف:

عام روش سے ہٹ کر چلنے والا شاعر۔ اپنے عہد کے لکھنو کے شعرا عزیز لکھنوی، صفی لکھنوی سے الگ انداز خیال کا شاعر۔

جنہوں نے یاس کو اپنے لیے خطرہ محسوس کر کے مناظرانہ ماحول پیدا کیا۔ یاس نے غالب جیسے شاعر کے کلام میں بھی نکتے نکالے اور لڑنے کے لیے ماحول گرم کیا۔ یاس سے یگانہ بنے۔ پھر چنگیزی کا اضافہ کیا۔ حریفوں کے ساتھ سخت زیادتی کی اور یوں یاس نے اپنے شان کو خود گرایا۔ یاس لکھنو میں ایک بڑا شاعر بن سکتا تھا مگر تعصب کا شکار ہو گیا۔ شاعری پر دھیان نہ دیا۔ مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا۔ خود کو غالب کا چچا کہہ کر دشمنوں میں اضافہ کیا۔ لکھنوان کے لیے جہنم بن گیا اور ایک جدت ذہن والا چنگیزی چنگیز نہ بن سکا۔ ولولہ، جذبہ و فکر، معنوی بلاغت اور اسلوب کی دل آویزی اہم خصوصیات ہیں۔

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے اب ترک دعا کرتے ہیں
مجھے دل کی خطا پر یاس شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

شعری مجموعوں میں نشتر یاس، آیات وجدانی، ترانہ، گنجینہ وغیرہ

شاد عظیم آبادی

تعارف:

[illegible] اخلاق، فلسفہ، توحید، تصوف، سر سید سے متاثر اور میر کی پیروی کلام کی اہم خصوصیت [illegible] کے علاوہ الگ اسلوب، پامال مضامین اور عشق کے جھوٹے [illegible]

خوشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

اصغر گونڈوی

تعارف:

اہم خوبی مذہب اور تصوف کی طرف میلان۔ تین شادیاں کیں۔ کسے نے کہا تھا کہ "ہندوستان کے دو بڑے شاعر ہیں، اصغر اور اکبر"۔ شعری کتب میں نشاطِ روح اور سرودِ زندگی وغیرہ شامل ہیں۔ بلند خیال، تصوف اور فلسفۂ زندگی وغیرہ شاعری کے اہم خصوصیات ہیں۔

نہ کامیاب ہوا میں نہ رہ گیا محروم
بڑا غضب ہے کہ منزل پہ کھو گیا ہوں میں

فیض احمد فیض

تعارف:

ترقی پسند شاعر تھے۔ رومان سے حقیقت تک سفر اور ظلم و جبر کے خلاف آواز اُٹھائی۔

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

احمد ندیم قاسمی

تعارف:

غزل پر نظم کا رنگ غالب ہے۔ خارجیت کا غلبہ ہے۔ مزاج کلاسیکی ہے مگر انداز خوبصورت:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

عبدالحمید عدم

تعارف:

خالص غزل کے شاعر، ترقی پسند اور رومانوی شاعر ہیں۔ خرابات، صنم کدہ اور زلفِ پریشاں وغیرہ اہم مجموعے ہیں۔ [illegible] دو مجموعہ کلام ہیں۔ سب سے اہم خوبی تغزل ہے۔

عدم ادا ہی تو دولت ہے مہ جبینوں کی
جو بے رخی نہ کرے وہ پری جمال نہیں

علامہ اقبالؒ بطور غزل گو

علامہ کی سب سے بہترین غزلیں:

علامہ کی سب سے بہترین غزلیں بال جبریل میں ہیں۔کل ۷۷ غزلیں ہیں۔

علامہ کا تصور عشق:

علامہ نے عشق کو وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔ان کے نزدیک ''عشق وہ پاکیزہ و طاقتور جذبہ ہے جو انسان کو عظمت عطا کرتا ہے۔اور اسے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی طرف مائل کرتا ہے۔ان کے نزدیک عشق گرمیِ حیات کا موجب ہے۔اس سے کائنات میں رونق ہے۔یہ ایک عالمگیری اور بیکراں جذبہ ہے'' یا

''عشق ایک ایسی قوت محرک (Driving Force) ہے جو انسان کو منزل کے حصول کے لیے گامزن کرتا ہے۔اور اسے مقاصد آفرینی پر اکساتا ہے۔عشق حیات عالم کا آئین ہے۔''

ع عشق آئین حیات عالم است

مختصر کسی بڑے اور عظیم مقصد سے لگاؤ کا نام اقبال کے ہاں عشق ہے۔اور وہ عظیم مقصد اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کو حاصل کرنا اور انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔عشق کے بارے میں علامہ رومی کا ہم آہنگ ہے۔

؎ عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ

عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

ع عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

ع بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

نوٹ: عشق اقبالؒ کے ہاں وسیع معنی رکھتے ہیں مگر اس کا بنیاد اور ماخذ ایمان کامل ہے۔

اقبال کا غزل کے لیے کارنامہ:

اقبال نے فکر اور فلسفہ سے غزل کو مزین کیا اور پہلی مرتبہ اردو غزل میں ایک مربوط اور ٹھوس فلسفہ پیش کیا۔اس کے علاوہ اقبال نے غزل کی پرانی روایت سے منحرف ہو کر غزل کو نئے عناصر سے روشناس کرایا۔

فنی اور فکری اعتبار سے اقبال کی بال جبریل کی غزلیں:

علامہ کے ہاں بال جبریل کی غزلیں جہاں فنی اعتبار سے اعلیٰ شاعری کا نمونہ ہیں۔وہاں ان غزلوں میں ایک مربوط نظام فکر بھی نظر آتا ہے۔اپنی شاعری میں اقبال اپنی قوم کی زوال کی تصویر پیش نہیں کرتے بلکہ تمام نوع انسانی کے لیے انقلاب اور ارتقاء کا پیغام پیش کرتے ہیں۔اقبال کی غزل میں مسائل کا ذکر بھی ہے اور ان

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

اقبالؒ کے ابتدائی غزلوں پر میر اور داغ اثر:

اقبالؒ کے ابتدائی غزلوں پر میر اور خاص کر داغ کا اثر ہے۔

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی

علامہ اقبال کی غزل کی موضوعات:

مربوط اور ٹھوس فلسفہ (خودی)، قومی مسائل، بین الاقوامی مسائل اور مابعد طبیعاتی عناصر وغیرہ۔

علامہ سے پہلے غزل کا لہجہ:

علامہ سے پہلے غزل کا لہجہ قنوطی تھا۔ علامہ نے رجائیہ بنا دیا۔

علامہ اور غزل کا ڈھانچہ:

علامہ نے غزل کی پرانی روایت سے منحرف ہو کر غزل کو نئے عناصر سے آشنا کیا۔ پہلی بار ٹھوس اور مربوط فلسفہ (خودی) شامل کیا۔ موضوعات میں جدت پیدا کی۔ قومی، بین الاقوامی اور مابعد طبیعاتی مسائل کو جگہ دی۔

علامہ فنی حوالے سے غزل میں تبدیلی:

فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ علامہ نے فنی حوالے سے بھی غزل میں بھی تبدیلیاں کیے۔ جیسے لہجہ، زبان اور اسلوب مکمل بدل کر رکھ دیے۔ زبان اور لہجہ جوشیلا، جارحانہ لہجہ اور رجائیہ ہے۔ اور یہ تبدیلی فطری ہے۔

علامہ کی غزل پر اعتراضات:

اقبال کی زبان لطیف اور نازک نہیں

یہ اعتراض "اقبال کامل" میں عبدالسلام ندوی نے کیا ہے۔

دوسرا اعتراض فراق گورکھپوری نے علامہ کی موضوع پر کیا ہے کہ علامہ صاحب نے غزل کو تمام تصوف کی
بنادی ہے کہ غزل کے دائرے سے خارج ہوگئی ہے اسے غزل کہا جائے یا نظم۔

تیسرا اعتراض وزیر آغا نے کیا ہے کہ غزل پیغام دینے کی اہل نہیں ہے جب کہ علامہ نے نظم کی طرح
غزل میں بھی پیغام دینے کی کوشش کی ہے اور ایک اور اعتراض یہ کہ اس کی غزل میں سوز و گداز نہیں ہے۔ مگر اردو
غزل کے نقادوں نے اپنے ذہن میں یہ بات نقش کرلی ہے کہ اردو غزل کی ایک مخصوص زبان ہے۔ لہجہ ہے اور
خاص موضوع ہے۔ جب کہ اقبال ان سب سے بغاوت کرتے ہیں۔ اصل میں معاشرتی حالات، نئے علوم اور
نئے فلسفوں کی وجہ سے انسان کا نکتہ نظر بتدریج تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ استعاروں اور تلازمات کے معنی نئے روپ
اور ڈھنگ میں بدل جاتے ہیں۔ کائنات کے در و دیوار میں تبدیلی انسانی ذہن میں تبدیلی کا باعث کی جاتی ہے
۔ ہر شاعر کا انداز اور سوچ اپنے زمانے کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس کا مزاج اپنے عہد کے علوم اور فلسفوں
کی نئی سوچ و فکر کے حوالے سے تشکیل پاتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زندگی کے بارے میں ایک جیسے
تصورات و خیالات رکھتے ہوئے بھی ایک ہی معاشرتی حالات میں رہتے ہوئے بھی اس دور کے تمام شاعر ایک
جیسی ہی شاعری نہیں کرتے۔ ہر ایک کی سوچ جداگانہ ہے۔ ہر شاعر کائنات اور کائنات میں موجود ہر شے کو مختلف
انداز سے دیکھتا ہے۔ میر، سودا اور درد ایک زمانے کے شاعر ہوتے ہوئے بھی مختلف قسم کی شاعری کرتے ہیں۔ ان
کی سوچ اور انداز فکر ایک دوسرے سے بالکل الگ ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا انفرادی رنگ ہے۔ میں بہ طور یہ محقق
علامہ کی غزل پر تنقید کرنے والے حضرات کو اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ:

(۱) اقبال فلسفیانہ سوچ اور تصورات کے مالک تھے اور یاد رہے زبان موضوع کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اس
لیے فلسفیانہ سوچ اور تصورات کے لیے زبان میں جارحانہ اور رزمیہ پن عین فطری بات ہے۔ تعجب کی نہیں۔

(۲) عظیم تصورات اور موضوعات کے لیے نرم و نازک زبان ساتھ نہیں دے سکتی اس لیے اقبال کا لہجہ بلند
[illegible] ہے۔ عظیم پیغام کے لیے عظیم اور مضبوط زبان کا ہونا فطری امر ہے۔ جو علامہ کا بڑا کارنامہ ہے۔

(۳) فراق صاحب کا اعتراض تعجب خیز ہے۔ کیونکہ میر و غالب سے پہلے غزل کی شاعری جذبے تک محدود
[illegible] غالب نے جذبے اور فکر کو ملا کر اردو غزل کو چار چاند لگا دیے۔ اس طرح علامہ صاحب نے
[illegible] اور فلسفہ کو ملا کر غزل میں [illegible] تو اضافہ کی مگر ساتھ ہی ایسی توانائی اور رعنائی پیدا کردی جو
[illegible]

(۱) علامہ کے پاس [illegible] ایک خاص اور [illegible] موضوع تھا۔ لہٰذا ان میں تبدیلی یقینی تھی۔ علامہ عظیم تصورات
رکھتے تھے۔ اس لیے عظیم [illegible] جارحانہ اور رزمیہ لہجہ اپنانا تعجب کی بات نہیں۔

- کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں
- عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی
- عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
- اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

فرانسیسی شاعر بودلیئر کا حقیقی شاعری کے لیے لوازمات:

فرانسیسی شاعر بودلیئر مستی اور جذب کو فن کے لوازمات میں شامل کرتا ہے۔ علامہ کی غزل اور شاعری میں یہ لوازمات موجود ہیں۔ اقبال کے ہاں اس مستی اور جذب کے لیے لفظ قلندری استعمال ہوا ہے۔ علامہ کی نظم اور غزل دراصل اس کے تحیر اور جذب و مستی کی ترجمان ہے۔

- نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ
- مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

علامہ اقبال کی غزل گوئی میں "تغزل" کی مثال:

- میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

اقبال کی غزل میں غالب کی فارسیت اور شکوہ الفاظ کی مثال:

- کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

روائتی مضامین خاص کر متصوفانہ خیالات اور اقبال:

- مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں

تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

ملک نے اور اقبال کے آئندہ شاعری کا منشور:

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کو وہ راز اب آشکار ہوا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

جبریل کی غزلوں کا ایک شعر:

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں
عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

بریل میں کل غزلیں اور حصے:

بال جبریل میں کل ۷۷ غزلیں اور دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں ۱۶ اور دوسرے حصے میں ۶۱ غزلیں ہیں۔

ت انسان کے حوالے سے علامہ کی غزل یا شعر:

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا
باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

کے کلام میں سوز و گداز:

اقبال کی غزل میں قنوطی سوز گداز تو نہیں ہے پھر بھی ان کے کلام میں سوز موجود ہے۔ اقبال کے کلام میں رجائی قسم کا ہے۔ یہ شدید رجائیت لیے ہوئے ہے۔

دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا

اقبال کی غزلوں میں ہندوستان کے سیاسی زوال، معاشرتی اور تمدنی حالات کی عکاسی:

یہ بتانِ عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ، نہ تراشِ آزرانہ

ضرب کلیم میں کل غزلیں، ایک شعر:
ضرب کلیم میں کل پانچ غزلیں ہیں۔

تو مری نظر میں کافر، میں تری نظر میں کافر
ترا دیں نفس شماری، مرا دیں نفس گدازی

(پرچہ ششم) ''اردو نظم''

نظیر اکبر آبادی:

عوامی شاعر ہیں۔ مشہور نظموں میں آدمی نامہ، روٹی نامہ، الہی نامہ، بنجارہ نامہ، ککڑی اور شب برات شامل ہیں۔ نظیر کی شاعری میں مقامی رنگ، اقتصادی مسائل، دنیا کی بے ثباتی جیسے موضوعات شامل ہیں موسموں پہ نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ہندوستان کا سارا جغرافیہ، تاریخ اور روایات شاعری یعنی عوامی شاعری کی بنیاد رکھی۔

اکبر آلہ آبادی:

مغربی تہذیب اور ان کے مشرق میں اثرات، شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔ اس کے علاوہ جدید مسلمان، مذہب اور سائنس، روحانیت اور مذہب سے دوری بھی شاعری کے موضوعات ہیں۔ اکبر نے اپنی شاعری میں مغربی تہذیب کے مہلک اثرات کے خلاف تحریک مزاحمت شروع کرنے کے لیے طنز و مزاح کی تلوار اٹھائی اور قلمی جہاد کیا۔ اکبر کے ہاں مزاح کے سارے حربے موجود ہیں۔ مغربی تعلیم کے علاوہ تعلیم نسواں، علما و مشائخ اور سر سید اور علی گڑھ تحریک پر بھی طنز کیا ہے۔

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہو وہ سبھا کی پری نہ ہو

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

اکبر اور سر سید:

سر سید احمد خان مسلمانوں کو مغربی تعلیم دے رہے تھے وہاں کا ماحول دے رہے تھے۔ اس لیے اکبر ان کے خلاف تھے۔ اس کے علاوہ اکبر، سر سید کے مذہبی نظریات اور عقائد کے بھی خلاف تھے اس کے علاوہ اکبر سر سید کے بعض کاموں کے معترف بھی تھے۔

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا ہے

کہا جو چاہے کوئی میں تو کہتا ہوں کہ اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مولانا الطاف حسین حالی:

قوم کی بیداری، قومی شاعری، اصلاح قوم کے جذبہ اور عورتوں کی بھلائی، حالی کی شاعری کی بنیادی خصوصیت ہیں۔ حالی جدید غزل اور نظم کے بانی بھی ہیں "چپ کی داد" اور "مناجات بیوہ" نا قابل فراموش نظمیں ہیں۔

مسدس حالی:

حالی کی معرکۃ الآرا نظم ہے۔ جس میں مسلمان قوم کے عروج و زوال، مغرب کی اصلیت، عشق رسولؐ مسلمان قوم کی غفلت اور اسلام کی شاندار ماضی کو موضوعات کلام بنایا ہے۔ اس نظم کا دیباچہ اپنی نوعیت کا اور اردو ادب میں تنقید کی پہلی کتاب کا درجہ رکھتا ہے۔

ع وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

اختر شیرانی:

ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک پٹھان قبیلہ سے تعلق رکھنے والے اور حافظ شیرانی کے بیٹے تھے۔ رومانوی شاعر ہیں۔ سماجی بندھن سے آزادی، تخیل، دنیا، فطرت پرستی اور احساس کی شدت گل مل کر شیرانی کی رومانیت بن جاتی ہے۔ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو کئی حقیقی نام بھی دیے جن میں سلمیٰ، ریحانہ اور عذرا شامل ہیں۔ سلمیٰ سے محبت اور اس محبت کا عظیم سانحہ جس نے شیرانی کی بقیہ زندگی ماتم بنا دیا تھا، اپنے کلام میں بہترین انداز میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اگر مجھے نہ ملیں تم تمہارے سر کی قسم
میں اپنی ساری جوانی تباہ کر لوں گا
جو تم سے کر دیا محروم آسماں نے مجھے
میں اپنی زندگی صرف گناہ کر لوں گا

شیرانی کا تصور عشق:

افلاطونی عشق اور جنسی محبت کا خمیر ہے۔ فطری اور بے باک عشق ہے۔ عشق میں روایتوں کے پاسدار ہیں۔ رسوائی اور بدنامی سے ڈرتا ہے۔

ع اے عشق خدارا دیکھ کہیں وہ شوخ حزیں بدنام نہ ہو

رومانوی شعرا کی طرح شیرانی کی شاعری میں انقلاب پسندی اور ماضی پرستی بھی موجود ہے۔ انانیت اور

شراب نوشی کا ذکر بھی ہے "میرا موجود مشغلہ" اور "سنا ہے میری سلمیٰ رات کو آئے گی" وادیوں میں "اہم نظمیں ہیں۔

جوش ملیح آبادی:

جوش شاعر انقلاب اور شاعر شباب ہیں۔ رومانوی شعرا کی تمام خصوصیت جوش کے کلام میں موجود ہیں۔ رومانیت، عورت، تصور آزادی، شراب، شباب، انقلاب، اور فطرت پرستی کلام کے اہم خصوصیات ہیں۔ جوش کے کلام میں باغیانہ عناصر بھی موجود ہیں۔ خاندان، سماج، اخلاق، اپنے آپ اور یہی تک کے خدا سے بھی بغاوت کی ہے۔

ے کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

جوش کا تصور عشق:

جوش، عشق کو عبادت تصور کرتے ہیں۔ ان کے ہاں خوشی ہے غم نہیں جب کہ وصال میسر ہے۔ ہجر کا نام دور تک نہیں بلکہ عشق کی وجہ سے حسن خود ان کے پاس کھینچا چلا آتا ہے۔ شعلہ و شبنم، جنگل کی شہزادی، عشق کا مرن، بغاوت اور فتنہ خانقاہ مشہور نظمیں ہیں۔

فیض احمد فیض:

فیض کی شاعری رومان اور انقلاب یعنی غم دوراں اور غم جاناں کا سنگم ہے۔ کلاسیکیت اور رومانیت کو ملا کر منفرد لہجہ اور اسلوب اپنایا ہے۔ فیض کی رومانیت کی جڑیں سماج سے جڑی ہوتی ہیں۔ انقلابی عناصر موجود ہیں۔ وطن پرستی "تغزل" علامت نگاری اور خود کلامی بھی موجود ہے۔ سیاسی لیڈر کے نام سر مقتل اور دو عشق اہم نظمیں ہیں۔

ع اے خاک نشینو! اٹھ بیٹھو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے

ن م راشد:

ن م راشد کے چار شعری مجموعے ہیں۔ ماورا، ایران میں اجنبی، لا = انسان اور گمان کا ممکن، مشہور نظموں میں اندھا کباڑی، حسن کوزہ گر، اسرائیل کی موت اور نمرود کی خدائی شامل ہے۔

راشد کا موضوع:

راشد کا موضوع مشرق اور جدید سائنس کا انسان ہے۔

راشد کا تصورِ انسان:

راشد کا انسان زمین سے ہٹ کر خلا میں کھڑا ہوا انسان ہے۔ جدید معاشرے، جدید تعلیم، جدید سائنس اور جدید دور کا انتشار پسند انسان ہے۔

بغاوت: راشد کی شاعری میں بغاوت کا عنصر نمایاں ہے۔ شاعری خصوصاً نظم کے لگے بندھے اصولوں سے انحراف کیا۔ ہیئت، مواد، اسلوب ہر لحاظ سے پرانی شاعری سے بغاوت کی۔ اس کے علاوہ مشرق کے مروجہ تصورِ محبت سے بغاوت کی اور جسمانی لمس کو محبت کی معراج قرار دیا۔ خدا اور غیر ملکی استعمار کے خلاف بھی بغاوت کی یعنی راشد مکمل روایت شکن تھے۔

خدا کا جنازہ لیے جا رہے ہیں فرشتے
اس ساحرِ بے نشاں کا
جو مغرب کا آقا ہے مشرق کا نہیں
تجھے معلوم ہے مشرق کا خدا کوئی نہیں
اور اگر ہے تو سرا پردہ عصیاں میں ہے

راشد حقیقت میں خدا کی ذات سے منکر نہیں تھا مگر مشرق کی سماجی حالات دیکھ کر مایوس اور بدتر حالات اور مغرب کی رنگا رنگی کی وجہ سے انہیں ایسا کہنا پڑا۔

فرار

راشد کے کلام میں فرار کا عنصر بھی ملتا ہے۔ فرار کے کئی راستے ہیں جیسے غالب اور اختر شیرانی نے فرار کے لیے شراب کا سہارا لیا۔ میر اور میرا جی نے جنسی انحراف اور غیر فطری افعال اپنا کر معاشرے سے دور بھاگنے کی کوشش کی۔ فرار کا ایک راستہ داخلیت ہے۔ راشد نے یہی راستہ اختیار کیا اور دنیا سے بے خبر رہا۔

جنسیت:

جنس راشد کے ہاں زندگی کی سب سے بڑی قدر ہے۔ راشد کے ہاں جو جنسی لہر ہے وہ بھی فراریت کے تحت ہی سے منسوب ہے۔ یعنی راشد کی جنسیت ان کا فرار قرار دیا جا سکتا ہے "اجنبی عورت" اور "انتقام" اس سلسلے کی نظمیں ہیں۔ راشد کی شاعری میں سامراج دشمن کے حوالے بھی موجود ہیں۔ بعض اہل ادب راشد کو اقبال کا وارث قرار دیتے ہیں۔ "زنجیر" اس حوالے اہم نظم ہے۔ راشد از ادنظم کی بانیوں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

اقبال کی ابتدائی غزلوں پر میر اور داغ اثر:

اقبال کے ابتدائی غزلوں پر میر اور خاص کر داغ کا اثر ہے۔

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی

علامہ اقبال کی غزل کی موضوعات:

مربوط اور ٹھوس فلسفہ (خودی)، قومی مسائل، بین الاقوامی مسائل اور مابعد طبیعاتی عناصر وغیرہ۔

علامہ سے پہلے غزل کا لہجہ:

علامہ سے پہلے غزل کا لہجہ قنوطی تھا۔ علامہ نے رجائیہ بنا دیا۔

علامہ اور غزل کا ڈھانچہ:

علامہ نے غزل کی پرانی روایت سے منحرف ہو کر غزل کو نئے عنصر سے آشنا کیا۔ پہلی بار ٹھوس اور مربوط فلسفہ (خودی) شامل کیا۔ موضوعات میں جدت پیدا کی۔ قومی، بین الاقوامی اور مابعد طبیعاتی مسائل کو جگہ دی۔

علامہ فنی حوالے سے غزل میں تبدیلی:

فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ علامہ نے فنی حوالے سے بھی غزل میں بھی تبدیلیاں کیے۔ جیسے لہجہ، زبان اور اسلوب مکمل بدل کر رکھ دیے۔ زبان اور لہجہ جوشیلا، جو رجائیہ لہجہ اور رجائیہ ہے۔ اور یہ تبدیلی فطری ہے۔

علامہ کی غزل پر اعتراضات:

اقبال کی زبان لطیف اور نازک نہیں

یہ اعتراض "اقبال کامل" میں عبدالسلام ندوی نے کیا ہے۔

ہے اس کی تخلیق میں سچے جذبات کی سرمستی، گرمئ دل، لذت جستجو، عمل و حرکت، سوز اور آرزو جیسی خصوصیات موجود ہوں۔ اقبال شاعری کو پیغمبری کا جز مانتے ہیں۔

اقبال کا تصورِ شاعر:

اقبال کے ہاں شاعر کا تصور بہت بلند ہے۔ علامہ کے ہاں شاعر کا نفس، خودی کا داعی اور محافظ ہوگا اور فرعونیت کو تہہ و بالا کر دینے کی قوت بھی رکھتا ہوگا۔ اقبال کے نزدیک شاعر وہ ہے جو حسن سے صحیح اثر قبول کر کے گیسوئے حیات کو سنوارنے کی مہم پر نکلتا ہے اور اپنے اندر بڑی قوت اور کشش بھی رکھتا ہے۔ علامہ شاعر کو دیدۂ بینائے قوم شمار کرتے ہیں۔ اس کا ہاتھ قوم کی نبض پر ہو۔ بلند مقامات کا رہبر ہو۔

علامہ کا تصورِ ادب:

اقبال امیروں اور بادشاہوں کی فرمائش پر لکھے گئے ادب کے خلاف ہے۔ ان کے ہاں جو ادب سرمایہ داروں کی فرمائش یا لالچ، کسی سطحی جذبہ کی تسکین یا دل کی تسلی یا محض ذوق جمال کی تشفی و رخصت کے لیے استعمال ہو وہ رائیگاں اور مظلوم ادب ہے۔

اقبال اور احساس جمال:

علامہ احساس و جمال اور حسن کی کیفیات کا منکر نہیں وہ اسے ایک فطری جذبہ سمجھتے ہیں لیکن معاشرے کے لیے اس مفلوج و اپاہج حسن کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ جو عصائے موسیٰ کی طرح حجر و شجر کو بھی متاثر نہیں کر سکتے۔ علامہ کے خیال میں شعر کو سحر اور سحر کو اعجاز تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ دل زندہ کی قوت اس میں مضطرب ہو۔

علامہ کا تصورِ موسیقی:

اقبال کا خیال ہے کہ نغمہ و موسیقی زندگی کی بجائے موت کا پیغام دیتے ہیں اور انسان کو بے زار و ... دنیا سے بے زار کر دیتا ہے۔ علامہ کے نزدیک نغمہ کو بیل تندرو ہونا چاہیے جو غموں کا خاتمہ کر دے ... مغنی یا شاعر کی آواز یا بانسری کی لے سننے والوں کے دلوں میں جذبہ اور حرارت پیدا نہ کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں یعنی موسیقی کا کام جمود و سکون کا خاتمہ کر کے زندگی میں ولولہ، جوش اور جذبہ پیدا کرنا ہے۔ جس سے صرف انسان متاثر نہ ہو بلکہ ستاروں کے وجود کو بھی پگھلا دے۔ موسیقی میں اثر آفرینی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مغنی کے ... مضطرب ... اور ... متناسب اور ... معتدل کے ساتھ آواز کے ...

[illegible]

...سے لیے میں بکر عمل تولین کا [illegible] کیا ہے۔

...اور رومی مماثلت:

(۱) دونوں اسلامی شاعر ہیں (۲) دونوں کی شاعری حکیمانہ ہے (۳) دونوں خودی کی نفی کے بجائے خودی کی تقویت چاہتے ہیں (۴) دونوں کے نزدیک حقیقی خودی اور بے خودی میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہے (۵) دونوں کا تخیل تقدیر عام مسلمہ تخیل تقدیر سے الگ ہے۔

مولانا روم اور علامہ کی نظریہ خودی میں مماثلت:

(۱) تصور خودی دونوں کا ایک جیسا ہے جو علامہ نے رومی سے اخذ کیا ہے (۲) دونوں کے ہاں "خودی" ایک آئین کے تابع ہے۔

تربیت خودی کے مراحل:

تین مراحل ہیں۔

(۱) اطاعت الٰہی:

خودی کا پہلا مرحلہ ہے اس مرحلے میں خودی کو اس قانون حیات کی پابندی کا عادی بنایا جاتا ہے۔ اس مرحلے میں خودی اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کے اختیارات کے مطابق بناتی ہے۔ یعنی

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسماں و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

(۲) ضبط نفس:

خودی کا دوسرا مرحلہ ہے اس مرحلے میں نفسانی خواہشات اور جذبات کو منضبط کرنے پر

وسیلہ دیا جاتا ہے کہ خودی کے قابو میں آ جائیں اور ان کی سرکشی ختم ہو کر ان سے تعمیری کام لیا جا سکے۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

(۳) نیابت الٰہی:

خودی کا تیسرا مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں انسان الٰہی حقائق سے آگاہ ... سے آشنا ہو جاتا ہے اور انسان اس منزل پہ پہنچ جاتا ہے جہاں وہ خدا کا نائب بن ... کر دیتا ہے یعنی عبودیت میں کہ ... خدا اور بندے کے فرق کو ختم کر دینا نیابت الٰہی ہے اور ان مقامات میں ... سرگرم عمل ہے۔

... دکاں ہے اپنی آنکھوں پہ عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

تصور بے خودی:

بے خودی علامہ صاحب کا فلسفہ ہے جو اصولوں سے باقاعدہ طور پر ۱۹۱۸ میں پیش کیا گیا ... زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ لازماً معاشرے سے قوم اور کسی ملت کا فرد ہوتا ہے۔ فرد اور ملت کے درمیان رابطے کے چند اصول اور آئین ہوتے ہیں۔ اس رابطے کو علامہ نے "بے خودی" سے تعبیر کیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان ندوی کے مطابق
"اپنی خودی کو ملت اسلامیہ پر قربان کرنا بے خودی ہے" یعنی فرد کی مثال ایک قطرے کی ہے اور ملت دریا کی طرح ہے مگر اقبال کی نظر میں یہ قطرہ دریا میں مل جانے کے بعد اپنی ہستی کو فنا نہیں کر ڈالتا بلکہ اس کی ہستی مزید کمال حاصل کر لیتی ہے اور بلند و دائم مقاصد سے آشنا ہو جاتا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

... کا تصور عقل و عشق:

علامہ کے ہاں "کسی بڑے مقصد سے لگاؤ کا نام عشق ہے" اس کے علاوہ علامہ نے عشق کے تصور کو کچھ ... واضح کیا ہے۔

عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

علامہ کے ہاں عشق سے مراد لا الٰہ الا اللہ یعنی کلمۂ توحید ہے:

علامہ کا عشق کو عقل پر ترجیح دینے کے اسباب۔

علامہ کا نظریۂ وحدت [illegible] رگی ہے۔ ضروری ہے کہ عشق کی بنیاد وحدت و یک رنگی پر ہے۔

(۱) عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ زاہد ہے نہ ملا نہ حکیم

انسانی زندگی کی رونق اور ترقی کا راز عشق میں ہے عقل میں نہیں۔

(۲) عقل عشق کے بغیر منزل تک پہنچنے میں ناکام رہتی ہے۔

(۳) عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

(۴) عقل جہاں پہ رک جاتی ہے وہاں سے عشق کا آغاز ہوتا ہے۔

ع عشق کی ایک جست نے قصہ طے کر دیا تمام

مختصر یہ کہ تسخیر فطرت تہذیب و تمدن کے اصول اگر عقل نے مرتب کیے ہیں یعنی انسان [illegible] بنانے سنوارنے میں عقل کا بڑا ہاتھ ہے لیکن انسان کی اندرونی یعنی دل کا ارتقا اور اندرونی مدارج [illegible] عشق کا کارنامہ ہے عقل کا نہیں۔ مادی زندگی اور آرائش عقل کی وجہ سے ممکن ہے مگر روحانی تسکین [illegible] کا کام ہے۔ چوں کہ اقبالؒ انسان کو خودی کا رازداں اور مردِ مومن کی روپ میں دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے لیے [illegible] ہے عقل نہیں جیسے۔

ع بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

دنیا گواہ ہے کہ دنیا کی جتنی قوموں کی تقدیر بدل گئی ہے تو صرف جذبۂ عشق سے اور جب [illegible] میسر ہو جائے تو عقل و روحانیت کو آسانی سے تسخیر کیا جا سکتا ہے۔

اقبال کا تصورِ ملت یا قومیت:

علامہ کا تصورِ ملت و قومیت وہی ہے جو حضورؐ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں پیش کیا تھا کہ گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اگر برتری کا معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ علامہ وطن کی مغربی سیاسی تصور کے مخالف تھے کیوں کہ مغربی سیاسی تصور اسلامی [illegible] ہے۔ علامہ وطن کو بت بنا کر پوجنے والوں کے خلاف ہے۔
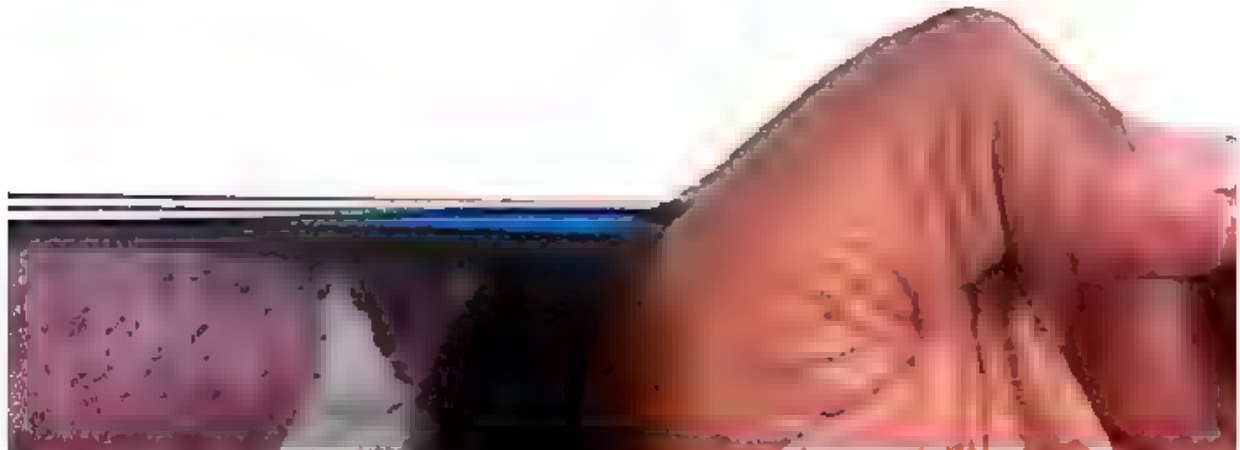
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

علامہ ملت کے لیے اخوت، اتفاق اور اتحاد کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ تعصب و فرقہ بندی سے گریز کا درس دیتے ہیں۔

علامہ کا نظریہ مردِ مومن:

علامہ کا تصور مردِ مومن قرآن و سنت سے ماخوذ ہے۔ علامہ کے سامنے مومن کا سب سے اعلیٰ نمونہ حضرت محمد ﷺ کا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

علامہ کا مردِ مومن وہی ہے جو اپنی خودی کی پوری طرح تشکیل و ترتیب کر چکا ہے اور نیابت الٰہی طے کرنے کے بعد اشرف المخلوقات اور نائب خدا کا رتبہ حاصل کر چکا ہے۔ تسخیر کائنات عشق، جہد مسلسل، جلال و جمال، حق گوئی اور فقر و استغنا مردِ مومن کی اہم خصوصیات ہیں۔

علامہ کے مردِ مومن اور نطشے کے سپرمین میں فرق:

(۱) علامہ کے مردِ مومن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے جب کہ نطشے کا اس کے برعکس ہے۔

(۲) مردِ مومن جدوجہد اور تسخیر فطرت کرتا ہے اور اخلاقی قوانین کے حدود میں رہتا ہے جب کہ سپرمین اخلاقی خوبیوں اور قوانین کے حدود سے باہر ہے۔

(۳) سب سے بنیادی فرق یہ ہے کہ نطشے خدا کا منکر تھا اور علامہ اللہ کے قائل۔ ظاہر ہے دونوں کے نظریوں اور کامل انسان میں واضح فرق ہوگا۔

علامہ کا نظریہ عظمتِ انسان:

علامہ کا انسان نسلی، قومی، لسانی وطنی اور امتیازات سے پاک ہے۔ اس لیے علامہ سے عمل کا درس دے کر اسے مغربی تہذیب سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔

ع عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

علامہ مغربی تہذیب [illegible] مادیت اور عقلیت پرستی کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ ان [illegible] آزادی سے بھی خائف ہیں۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

علامہ مغربی تہذیب کے بعض خوبیوں کے بھی معترف تھے جیسے سائنسی ترقی، تمدنی خوبیاں، اخلاق [illegible] تقلید کی مذمت وغیرہ۔

علامہ کا نظریہ حیات و ممات:

علامہ کا یہ نظریہ بھی دیگر نظریوں کی طرح قرآن و سنت سے ماخوذ ہے۔ اس حوالے سے [illegible] عربیت کے خیالات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مسلسل جد و جہد انسان کی بقا کی ضمانت ہے۔ زندگی کو موت سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ علامہ کے ہاں موت تجدید حیات ہے

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

علامہ کے خیال میں انسان کا دل عشق کے لازوال جذبے سے سرشار ہو تو کبھی نہیں مرتا جب تک [illegible] جنون نواز کارنامے زندہ ہیں۔ وہ زندہ رہے گا یعنی ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے عشق لازوال کا جذبہ اور جہد مسلسل [illegible] ہے۔ ایسا ہو تو موت تجدید حیات بن جاتی ہے۔

علامہ کا تصور ابلیس یا تصور خیر و شر:

علامہ کا تصور ابلیس ان کے فلسفہ خودی کا ایک جز ہے۔ علامہ نے ابلیس کی خودی کو بہت زور و شور سے ساتھ بیان کرتے ہوئے اشعار میں ان کی تکریم کو اجاگر کیا ہے۔ خاص کر شیطان کی عمل و حرکت اور جد و جہد تصور ابلیس پیش کرتے وقت علامہ اقبالؒ نے قرآنی تصور کو سامنے رکھا اور نتائج اخذ کیے۔ ایک جگہ پر وہ عمل و حرکت و جد و جہد کی وجہ سے ابلیس کو جبریل پر ترجیح دی ہے۔

؎ تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہے

(۴) آشیانہ بنانا:

؎ پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

(۵) تیز نگاہی:

؎ ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام
روح ہے جس کی دم پرواز سر تا پا نظر

(۶) خلوت پسندی:

؎ وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شہبازی

(۷) سخت کوشی:

ع تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاک راہ میں

(۸) تجسس:

؎ وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

(۹) حریت و آزادی:

ع وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں

(۱۰) قوت و توانائی:

؎ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ؔ در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے

اس طرح علامہ کا تصورِ خیر و شر بھی اسلامی عقائد سے متاثر نظر آتا ہے خاص کر خواجہ میر درد سے ملتا ہے۔ دنیا میں بدی اور شر کی نمائندگی ابلیس۔ جب کہ خیر کی نمائندگی انسان کی ملکوتی قوتیں کرتی ہیں۔ علامہ جمود کو سب سے بڑا شر اور حرکت کو سب سے بڑی خوبی سمجھتے ہیں۔

ؔ خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو

ؔ میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

علامہ کا تصورِ شاہین:

علامہ کا تصورِ شاہین بھی اسلام اور قرآن کے اصولوں کے مطابق ہے جو ان کے تصورِ مردِ مومن کے مترادف ہے۔ مردِ مومن کی تمام خصوصیات علامہ کے تصورِ شاہین میں موجود ہیں۔ وہ کبھی شاہین کو مردِ مومن اور کبھی مردِ مومن کو شاہین سے تشبیہ دیتے ہیں۔ علامہ نے شاہین کے درجہ ذیل خوبیوں کی بنا پر اسے پسندیدہ پرندہ قرار دیا ہے۔ انہیں خصوصیات کو ہر مردِ مومن میں دیکھنا چاہتے ہیں جو تسخیرِ فطرت کر سکے۔

(۱) غیرت و خودداری:

ؔ بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سرِ محبت سے بے نصیب رہا

(۲) فقر و استغنا:

ؔ اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی
کنجشک و حمام کے لیے موت
ہے اس کا مقام شاہبازی

(۳) بلند پروازی:

ؔ قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
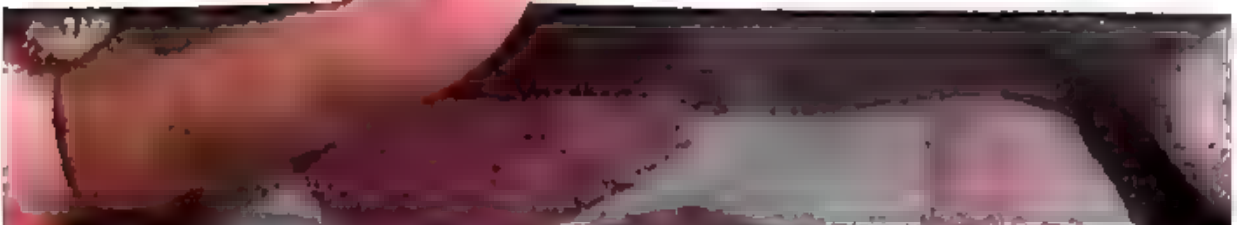
...آپ کی روحانیت سے فیض یاب ہو کر ملت اسلامیہ کو بھی اس سے مستفید دیکھنا چاہتے ہیں
...پوری پر ابھی فقر ہیں۔

ع لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

...علامہ کی شاعری محبت وطن اور محبت قوم سے شروع ہو جاتی ہے اور محبت رسولؐ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علامہ کی نظم "طلوع اسلام" کا پس منظر:

یہ بانگ درا کی آخری نظم ہے جو انجمن حمایت اسلام میں پڑھائی گئی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے حالات قدرے حوصلہ افزا تھے۔ ترکوں کو یونانیوں سے کامیابی مل رہی تھی۔ ایران انقلابی تبدیلیوں پر گامزن تھا۔ مراکش میں مجاہد عبدالکریم کا پلہ بھاری تھا۔ ہندوستان میں تحریک ترک موالات عروج پر تھی جس کے قیدیوں میں اسی (۸۰) فیصد قیدی مسلمان تھے۔ ان تمام صورت حالات سے اقبالؒ بہ خوبی واقف تھے۔ اس لیے علامہ نے اس نظم میں مسلمانوں کا مقام اور ان کا مستقبل اور نئی جہاں کی امید سنائی ہے۔

نظم خضر راہ کا پس منظر:

یہ نظم انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی گئی۔ اس نظم لکھنے کے پیچھے مسلم دنیا کے بدتر حالات تھے۔ عرب مختلف ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔ استعماری قوتوں کے کٹھ پتلی شاہ حسین کے بیٹے حکمرانی کر رہے تھے۔ برطانیہ یہودیوں کو فلسطین میں صیہونی ریاست کے قیام کے لیے بنیاد فراہم کر رہا تھا۔ ترکی اندرونی انتشار کا شکار تھا۔ ہندوستان میں لوگ تحریک خلافت کی بے نظمی کا شکار تھے۔ سانحہ جلیانوالہ باغ، سانحہ پنجاب میں مارشل لا کے پر آشوب حالات تھے۔ اسی تناظر میں یہ نظم لکھی گئی۔

نظم شکوہ کا پس منظر:

''شکوہ'' انجمن حمایت اسلام لاہور کے چھبیسویں سالانہ جلسے ۱۹۱۱ میں پڑھی گئی۔ شکوے کے پردے میں علامہ نے مسلمانوں کی عہد رفتہ کی داستانیں سنا کر انہیں عمل کی تلقین کی ہے۔ اس نظم میں علامہ نے عام مسلمانوں کے لاشعوری احساسات کی ترجمانی کی ہے۔ ایک طرف ان کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے بہترین امتی ہیں۔ اس لیے خدا کی ساری نعمتوں کے حق دار ہیں۔ جب کہ دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ ان کا مکمل زوال ہو چکا ہے۔ عقیدہ اور حقیقت کے اس ٹکراؤ سے مسلمانوں کا وہ مخصوص المیہ پیدا ہوتا جو ''شکوہ'' کا

علامہ کے تصور شاہین پر الزامات:

(۱) خون خواری کا الزام:

ناقدین نے علامہ کے اس تصور کو صرف مغربی تناظر میں پرکھا ہے۔ مشرق حوالے سے نہیں اور نہ مرد مومن کے حوالے سے علامہ کا شاہین اخلاقی [illegible] اور مطابق ہے۔ اس لیے خون خواری کا الزام تعصب پر مبنی ہے۔ [illegible] یہ الزام [illegible] گورکھپوری نے لگایا۔

(۲) فاشزم کا الزام:

یہ الزام اختر حسین رائے پوری کا ہے اور وہ اس حوالے سے مسولینی کا حوالہ دیتے [illegible] علامہ مسولینی کے ایک مثبت کارنامے سے متاثر تھے کہ انہوں نے اطالیہ کی پرانی عظمت بحال کر [illegible] اپنی قوم بیدار کی اور کامیاب ہوئے لیکن جب مسولینی نے حبشہ پر حملہ کیا تو علامہ کو بڑا صدمہ ہوا اور ان سے متعلق رائے بدل دی۔ اس کے علاوہ دونوں کے اشتراکیت بھی الگ ہے۔ مسولینی کے نزدیک نسلی اور علامہ کے ہاں مذہبی ہے۔

علامہ کا تصور عورت:

قرآن و سنت سے ماخوذ ہے۔ علامہ کے ہاں سب سے مثالی عورت حضرت فاطمہؓ ہیں۔ اس کے علاوہ فاطمہ بنت عبداللہ بھی علامہ کے نزدیک ایک مثالی کردار ہے جو طرابلس میں مسلمانوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو گئیں۔ علامہ آزادی نسواں کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ وہ عورتوں کی مغربی تعلیم کے بھی یکسر مخالف ہیں۔ علامہ عورت کی تعلیم کی حامی ہے مگر ان کا نصاب ایسا ہو کہ وہ عورت کو اس کے فرائض اور صلاحیتوں سے آگاہ کرے اور اسکی بنیاد دین اسلام پر ہو۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ

علامہ کا تصور عشق رسولؐ:

آپؐ سے علامہ کی محبت حد درجہ تھی۔ رسولؐ کے بارے میں اقبالؒ کا خیال ہے کہ آپؐ نے عقل کو صاحب اسرار اور عشق کو جوہر تیغ بنا دیا۔

عقل را او صاحب اسرار کرد
عشق را او تیغ جوہر دار کرد

موضوع ہے۔ بانگ درا کی اشاعت سے پہلے یہ نظم مختلف رسالوں جیسے پنجاب ریویو مخزن تمدن اور ادب میں شائع ہوئی تھی۔

نظم جواب شکوہ کا پس منظر:

۱۹۱۳ میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے میں پڑھی گئی۔ وقتی پیمانے پر اس کی اشاعت ہوئی۔ یہ جلسہ نماز مغرب کے بعد بیرون موچی دروازہ میں منعقد ہوا تھا۔ ہندی مسلمانوں کے لیے جنگ بلقان اور کانپور مسجد کی شہادت کے واقعات بہت دردناک تھے انہی دردناک پس منظر میں "جواب شکوہ" کی تخلیق عمل میں آئی۔

"شمع اور شاعر کا پس منظر:

یہ نظم فروری ۱۹۱۲ میں لکھی گئی اور دو ماہ بعد انجمن حمایت اسلام کے ۲۷ ویں سالانہ اجلاس میں پڑھی گئی۔ ۱۹۱۱ کے خاتمے اور ۱۹۱۲ کے آغاز میں دنیا میں دنیائے اسلام کی دردناک صورتحال کے پس منظر میں یہ نظم لکھی گئی ہے۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۱ کو اٹلی نے طرابلس پر ایک حملہ کیا۔ وہاں ترکوں کی قلیل فوج مقیم تھی لیکن انور پاشا کے غیر معمولی صلاحیتوں سے قبائلی اور عربوں نے اطالیوں سے اسلحہ چھین لیا۔ جو اس نظم کے پس منظر کا حصہ ہے۔

نظم مسجد قرطبہ کا پس منظر:

علامہ ۱۹۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ فارغ ہو کر وہاں سے پیرس کے ہوتے ہوئے ۱۹۳۳ء میں ہسپانیہ پہنچے جو صدیوں تک مسلم تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ اس لیے علامہ کو اس خطے سے دلی محبت تھی۔ سیاحت اندلس کے دوران وہ مسجد قرطبہ بھی گئے اور زیارت کی نماز بھی پڑھی۔ مسجد کی شان و شوکت نے علامہ کو بہت متاثر کیا۔ نظم مسجد قرطبہ بھی اسی زیارت کی یادگار ہے۔

نظم ذوق و شوق کا پس منظر:

دسمبر ۱۹۳۱ء میں علامہ نے بیت المقدس میں ہونے والے عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس شرکت کے موقع پر مسلم ممالک کے متعدد وفود سے علامہ کی ملاقات ہوئی۔ اجلاس میں مسلمانوں اور مسلم ممالک سے متعلق مسائل پر بحث ہوئی مختلف تجاویز پیش ہوئی۔ اور کئی اہم امور طے پائے۔ کانفرس کی شرکت، اسلامی وفود سے ملاقاتیں اور مقدس

مقامات کی زیارت کے بعد علامہ کے دل میں مسلم ممالک کی ترقی، احیائے اسلام اور زیارت روضۂ اطہر کی خواہش و تمنا کا از سر نو تازہ ہونا قدرتی بات تھی۔ اور یہی اس نظم کا پس منظر ہے۔

نظم ساقی نامہ کا پس منظر

ساقی نامہ کا سال تصنیف ۱۹۳۵ء ہے۔ یہ وہ دور ہے۔ جب ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کی حکومت تھی۔ جو ترکی سے ہر اسلامی اور مشرقی روایات کو مٹانے پر تلی ہوئی تھی۔ ایران بھی جدیدیت اور لادینیت کی راہ پر گامزن تھا۔ رضا شاہ، مصطفیٰ کمال کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ ہندی مسلمانوں پر تحریک خلافت اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے کی وجہ سے زبردست مایوسی طاری تھی۔ ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ نے اس مایوسی میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا اور یہی اس نظم کا پس منظر ہے۔

نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ کا پس منظر:

یہ نظم علامہ کی وفات سے دو سال پہلے ۱۹۳۶ء میں لکھی گئی ہے۔ علامہ نے یہ اس زمانے میں لکھی جب یورپ کی استعماری طاقتوں نے پہلی جنگ عظیم میں دنیا کو ایک زبردست تباہی و بربادی کا تحفہ دیا تھا۔ ہٹلر کی نازیازم نے مکمل یورپ کو یرغمال بنا رکھا تھا۔ پورا جرمنی جنگی جنون میں مبتلا تھا۔ اٹلی کا فاشسٹ آمر مسولینی بھی اطالیوں کی اپنے خطوط پر لڑائی کے لیے تیاری میں لگا ہوا تھا۔ روسی اشتراکیت بھی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ مسلم دنیا کی حالت بھی ابتر تھی۔ اکثر مسلم ممالک استعماری طاقتوں کے خونیں پنجے میں اسیر تھے۔ ترکی میں بادشاہ مغربی تہذیب کو عروج دے رہا تھا۔ غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی اسلامی عبادات روح و جذبے سے خالی ہو کر ایک ظاہری نمود و نمائش کی چیزیں بن گئی تھیں۔

نواں پیپر (تنقید)

تنقید:

تنقید فارسی زبان کا لفظ ہے جو دراصل عربی کے نقد یا انقاد سے ماخوذ ہے۔اس کے لغوی معنی پرکھنے یا اچھے برے معلوم کرنے کے ہیں۔اصطلاح میں تنقید سے مراد ہے کسی کتاب یا ادیب سے خوبیاں اور خامیوں کا درست اندازہ

لگانا اور اس پر اظہارِ خیال کرنا۔دوسرے الفاظ میں "دو اور دو چار کہنے اور کرنے کا فن تنقید ہے"

تنقید کے مناصب:

(۱) تخلیقات کی تشریح و توضیح (۲) خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنا (۳) سخن فہمی اور ادبی ذوق (۴) تخلیقی عمل سے استفادہ (۵) تخیلاتی جوہر (۶) روحِ عصر کا تجزیہ۔

نقاد کے فرائض:

(۱) تشریح:

کسی کتاب پر تنقید کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نقاد پہلے اسے غور سے پڑھ کر سمجھ لے اور مصنف کے سوانح حیات کا بھرپور مطالعہ کرے خاص کر وطن، جغرافیہ اور معاشرے کے مناسبت کے حوالے سے معلومات حاصل کرے۔اس صنف سے متعلق دوسری کتابوں کا بھی مکمل مطالعہ کریں کیوں کہ اس کے بغیر وہ کسی کتاب کا صحیح درجہ متعین نہیں کرسکتا۔

(۲) حکم:

سے مراد یہ ہے کہ نقاد کو چاہیے کہ وہ اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق رائے قائم نہ کرے بلکہ موضوع اور تنقید کے اصولوں کے مطابق رائے قائم کرے۔یعنی اگر اس کی طبیعت ڈرامے کو پسند کرتی ہے۔تو وہ خواہ مخواہ ناول کی برائی نہ کرے وغیرہ۔

(۳) تعین مراتب کرنا:

نقاد کو چاہیے کہ وہ تشریح اور حکم کے بعد فن پارے کا درجہ اور معیار ضرور متعین کرے اور یہی وہ چیز ہے جو نقاد کے فرائض میں سب سے زیادہ اہمیت اور نزاکت کا حامل ہے۔

اس قسم کی تنقید میں رومانیت کے حوالے سے بحث کی جاتی ہے یعنی اس تنقید میں ادیب رومانوی رنگ کو ملحوظ خاطر
لاتا ہے۔ نیاز فتح پوری، مہدی آفادی، اور مجنوں گورکھپوری اس حوالے سے اہم مشرقی نقاد ہیں۔ رومانوی نقادوں
کے مطابق جو تحریر فطرت کے قریب ہو وہی اصل تحریر ہے۔

) تاثراتی تنقید:

تنقید کی ایسی قسم ہے جس میں تاثر کو اولیت دی جاتی ہے۔ اس قسم تنقید میں فن پارے کے
دو تجزیے سے کوئی کام نہیں بلکہ اس کے تاثر کو دیکھا اور دکھایا جاتا ہے۔ سینٹ کاراں اور ان جانسن اس
لے سے اہم نام ہیں۔ تاثراتی تنقید لازمی طور پر ذاتی ہوتی ہے۔ اور نقاد اپنے تاثرات کی عینک سے فن پارے
صادر کرتا ہے۔

) تقابلی تنقید:

تنقید کی وہ قسم جس میں دو فن پاروں کو سامنے رکھ کر حکم صادر کیا جاتا ہے اور ان کے باہمی
نے سے ان کی قدر و قیمت مقرر کی جاتی ہے۔ موازنہ انیس و دبیر، اس حوالے سے اہم کتاب ہے۔

سائنٹفک تنقید:

فن پارے کو پرکھنے کے لیے مرتب شدہ اصولوں پر پرکھنا۔ ایک اچھی شاعری کی خصوصیات
بنا اور پھر اپنی خصوصیات کی بنا پر شعرا کا جائزہ لینا سائنٹفک تنقید ہے۔ شبلی اس حوالے سے اہم نام ہے۔

نظریاتی تنقید:

اس قسم تنقید میں کسی نظریے، فلسفے اور افکار کو پیش کیا جاتا ہے یعنی نظریاتی نقاد فن پارے میں
کسی فلسفے یا کسی نظریے کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

) عملی تنقید:

اس تنقید کو کہتے ہیں جس میں کسی فن کار یا ادیب کا نظریاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

) ساختیاتی تنقید:

تنقید کی وہ قسم ہے جس کے مطابق نقاد قاری اور مصنف کے خیالات و نظریات اور مہارت و
دب سے زیادہ ان کی ساخت پر بحث کرتے ہیں۔

۱۱) استقرائی تنقید:

ایک ایسی تنقید ہے جس میں کسی ادیب کو خارج سے عائد کردہ اصول و قوانین سے نہیں بلکہ

[illegible]

تنقید اور تخلیق کا رشتہ [illegible]

[illegible]

تنقید کی اقسام یا تنقیدی دبستان

(۱) عمرانی تنقید

یہ تنقید ادب کا تعلق سماج [illegible] سماج اور اس کے رجحانات اور تہذیبی عوامل پر نظر رکھتے ہوئے [illegible] سمجھا ہے۔ اس تنقید کی ابتدا انجمن نے کی۔ ناول اور افسانے کے لیے عمرانی تنقید [illegible] سماجی اور معاشرتی حالات کی خوب عکاسی کی جاتی ہے۔ [illegible] نقاد ہیں۔

(۲) نفسیاتی تنقید:

نفسیاتی تنقید میں انسانی ذہن اور کرداری محرکات کو سمجھنے کے حوالے سے بات کی جاتی ہے۔ اس تنقید کی بنیاد فرائڈ کے نظریہ لاشعور پر رکھی گئی ہے۔ اردو ادب میں میراجی اور حسن عسکری اس حوالے سے اہم نقاد ہیں۔

(۳) جمالیاتی تنقید:

جمالیاتی تنقید میں کسی فن پارے میں حسن و جمال کی اقدار سے بحث کی جاتی ہے۔ اس قسم کی تنقید میں تنقید کے تمام اصولوں کی پابندی نہیں کی جاتی۔ ادب برائے ادب کے دور میں جمالیاتی تنقید کا کافی رواج رہا۔ گارٹن نے سب سے پہلے اس قسم تنقید کو رائج کیا۔

(۴) مارکسی تنقید:

اس قسم تنقید میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ کیا ادب محنت کش طبقے کے کاندھے سے کاندھا ملا کر چلتا ہے یا نہیں اور یہی اس تنقید کا نصب العین بھی ہے۔ اس تنقید کا بانی کارل مارکس ہے۔ مارکسی نقادوں کا خیال ہے کہ اگر ادب عوام کی کشمکش ان کے دکھ درد اور بھوک کا ترجمان نہیں تو ایسے ادب کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۵) رومانی تنقید:

اپنے ماحول سے مایوس ہو کر خیالی دنیا بسانا رومانیت ہے۔ اس طرح یہ ایک الگ رویہ ہے

پرچہ نمبر ۸ (اقبالیات)

اقبال کی شاعری کے ادوار:

عبدالسلام ندوی نے اپنی کتاب "اقبال کامل" اور طاہر فاروقی نے اپنی کتاب "سیرت اقبال" میں علامہ کی شاعری کے ادوار کا تعین یوں کیا ہے۔ پہلا دور ابتدا تا ۱۹۰۵ تک۔ دوسرا دور ۱۹۰۵ تا ۱۹۰۸ تک۔ تیسرا دور ۱۹۰۸ تا ۱۹۲۴ تک۔ چوتھا دور ۱۹۲۴ تا ۱۹۳۸ تک۔ جب کہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب "طیبت اقبال" میں ان ادوار کا تعین کچھ یوں کیا ہے۔ پہلا دور ۱۸۹۸ تا ۱۹۰۵ تک۔ دوسرا دور ۱۹۰۵ تا ۱۹۰۸ تک۔ تیسرا دور ۱۹۰۸ تک۔ چوتھا دور ۱۹۱۸ تا ۱۹۳۲ تک۔ پانچواں دور ۱۹۳۲ تا ۱۹۳۸ تک۔

اقبال کا تصور فن:

علامہ فن یا آرٹ کے حوالے سے ادب برائے زندگی کے نظریے کے قائل ہے۔ ان کے ہاں تصور فن میں ادب برائے ادب کے نظریے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ فن اور اس کے اقسام کے بارے میں اقبال کا نظریہ ہے کہ یہ مقصد سو ور زندگی کے نصب العین کے حصول میں مددگار ثابت ہو۔ محض دل بہلانے کا مشغلہ اور ذریعہ نہ ہو۔ علامہ فن کو سائنس فلسفہ اور مذہب سے وسیع اور لامحدود شے قرار دیتے ہیں۔ علامہ جمال کو جلال کا ہی ایک رخ سمجھتے ہیں اور جمال بے جلال انہیں متاثر نہیں کرتا اس کے علاوہ علامہ فن کو خودی کے اظہار کے بیان کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

علامہ کا تصور فن کار:

فن کار کے حوالے سے علامہ کا خیال ہے کہ اس کا انداز نظر اور افتادِ طبع عام سطح سے بلند پاکیزہ اور معیاری ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ فن کار کو رجائیت کا علمبردار ہونا چاہیے۔ علامہ کے خیال میں فن کار کی نگاہ شوق صرف کائنات اور فطرت کا آئینہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا معیار اور کسوٹی بھی ہونا چاہیے۔ فن کار صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ پرکھتا بھی ہے۔ جانتا ہی نہیں جانچتا بھی ہے۔ اس طرح وہ کائنات اور فطرت کے حسن میں اپنے اعلیٰ اور حسین تخیل سے اس فن کے ذریعے نئے نئے مفاہیم اور معنویت عطا کرے گا۔

علامہ کا تصور شاعری:

علامہ کے خیال میں شاعری فنون لطیفہ کی ساری شاخوں میں لطیف ترین اور حیات افروز ہے۔ بشرطیکہ
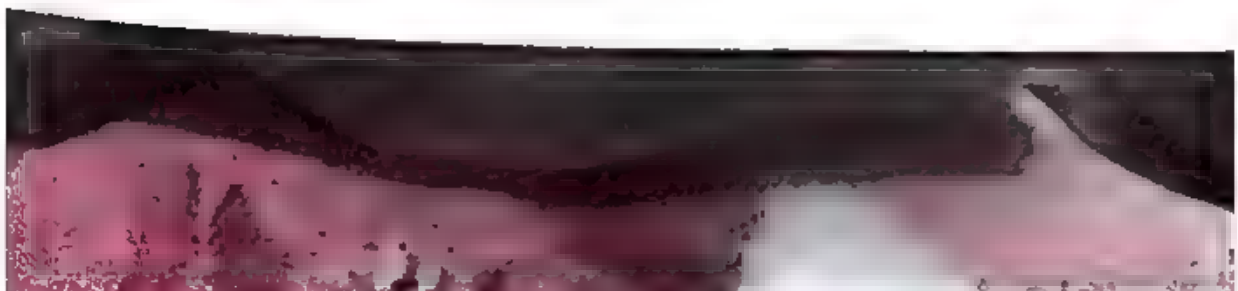
یقیری کوشش ہے۔ یعنی غالب کے قصیدے غزل کے زیادہ قریب ہیں جو قصائد کی شان کے خلاف ہے۔

مثنوی سحرالبیان اور گلزار نسیم کا موازنہ:

محمد حسین آزاد کے مطابق "دونوں مثنویوں میں سوائے اس کے کہ دونوں مثنویاں ہیں اور کوئی بات مشترک نہیں۔ دونوں کے راستے الگ الگ ہیں۔ میں یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ نسیم نے میر حسن کے مقابلے میں مثنوی لکھی۔ دونوں مثنویوں کا بحر، طرز بیان مختلف، تخیل کی رو مختلف پھر کیوں کر سمجھ لیا جائے کہ گلزار نسیم، سحرالبیان کے جواب میں لکھی گئی"

اگر باقی ناقدین کی آراء دیکھی جائے تو یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سحرالبیان دبستان دہلی کی پیداوار ہے جب کہ گلزار نسیم دبستان لکھنو کی۔ کردار نگاری دونوں کی اچھی ہے۔ وہ خصوصیات جن کی وجہ سے سحرالبیان کو ناقدین آج اعلیٰ درجے پر رکھتے ہیں گلزار نسیم میں یہ خصوصیات سحرالبیان کے مقابلے میں کمزور اور بے جان ہیں۔ میر حسن نے جذبے غم، خوشی کو ایک مصور کی طرح مجسم کر کے پیش کیا۔ اختصار گلزار نسیم کی وہ خوبی ہے جو سحرالبیان میں نہیں مگر سید عبداللہ نے اسے خامی قرار دیا ہے کیونکہ قصہ گوئی کی خوبی یہ ہے کہ جو بات بیان کی جائے اس طرح کی جائے کہ سننے والا محظوظ ہو سکے اور اختصار اس طرح کے بیان میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ سحرالبیان طبع زاد ہونے کی وجہ سے بہترین انداز میں پیش کی گئی ہے جب کہ گلزار نسیم طبع زاد نہ ہونے کی وجہ سے بہترین انداز میں پیش نہ ہو سکی۔ پھر بھی سحرالبیان سادگی و سلاست کی شاہکار مثنوی ہے جو دبستان دہلی کی شان ہے جب کہ گلزار نسیم مرصع نگاری اور رنگینی الفاظ کا عمدہ نمونہ جو دبستان لکھنو کی شان ہے۔

میر انیس اور مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری کا موازنہ:

مجموعی طور پہ دیکھا جائے تو دونوں مرثیہ نگار اپنے اپنے رنگ کے کامل استاد ہیں۔ دونوں کا ماحول مختلف تھا اس لیے انداز بھی الگ۔ ایک دبستان دہلی کی پیداوار ہے دوسرا دبستان لکھنو کی اور یہی سب سے بڑا فرق ہے۔ جہاں تک مولانا شبلی نعمانی اور باقی ناقدین کی آراء ہے تو ان کے مطابق میر انیس کی مرثیہ نگاری میں سادگی اور سلاست ہے جو ان کو آج تک زندہ رکھا ہوا ہے اس کے علاوہ بہترین جذبات نگاری میں انیس کو ملکہ حاصل ہے فصاحت و بلاغت دونوں عروج پر ہیں۔ انیس کے ہاں ہمہ گیری ہے جس نے آج تک سب کو متاثر کیا ہے اور آج تمام شعراء ان کے انداز بیان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس دبیر کے ہاں پر تصنع انداز ہے۔ فصاحت پر ملکہ حاصل ہے۔ سادگی اور سلاست کی جگہ مضمون آفرینی اور شکوہ الفاظ زیادہ ہیں۔ ہمہ گیری کے عنصر میں انیس سے پیچھے رہا۔

ساتواں پرچہ

محمد رفیع سودا اور ابراہیم ذوق کی قصیدہ نگاری کا موازنہ:

سودا اور ذوق اپنے اپنے عہد کے باکمال قصیدہ گو ہیں۔ چوں کہ سودا کا دور ذوق کے دور سے الگ، وسیع اور متنوع ہے اور سودا نے کثیر بادشاہوں کے علاوہ بزرگانِ دین کے قصیدے بھی لکھے ہیں اس لیے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جب کہ ذوق صرف دو بادشاہوں کے عہد تک محدود رہے۔ مجموعی طور پر وہ خصوصیات درج ذیل ہیں جن کی وجہ سے سودا قصیدہ نگاری کی دنیا میں ذوق سے آگے ہیں۔

(۱) سودا کے ہاں نئے اور اعلیٰ مضامین و خیالات کی کثرت ہیں جب کہ ذوق کے ہاں فقدان ہے۔

(۲) سودا کے ہاں پرشکوہ انداز ہے جو قصیدہ کا خاصا ہے جب کہ ذوق کے ہاں کمی ہے۔

(۳) نزاکتِ خیال کا اعلیٰ معیار سودا کے ہاں پایا جاتا ہے جب کہ ذوق کے ہاں روایتی نزاکتِ خیالی موجود ہے۔

(۴) سودا کے ہاں جدت ہے خاص کر تشبیب میں جب کہ ذوق کا کلام اس خوبی سے عاری ہے۔

(۵) سودا کے ہاں روانی و سلاست ہے۔ ذوق کے ہاں معتدل اسلوب ہے۔

(۶) واقعہ نگاری میں سودا کو ملکہ حاصل ہے ذوق کے ہاں اس عنصر کی کمی ہے۔

(۷) سودا کے ہاں مدح کے ساتھ رزم میں بھی جدت اور نیا پن ہے۔ ذوق کے ہاں صرف مدح سرائی ہے وہ بھی رسمی۔

(۸) سودا کے ہاں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ معیار قائم ہے ذوق کے ہاں فقدان ہے۔

(۹) سودا کے ہاں لفظی، نحوی، بیانی اور عروض کی خوبیاں موجود ہیں۔ ذوق کے ہاں کمی ہے۔

(۱۰) سب سے بنیادی فرق ماحول کا ہے۔ سودا کا ماحول وسیع اور ممدوحین کی کثیر تعداد ہے ذوق کا عہد اور قصیدہ نگاری صرف دو بادشاہوں تک محدود ہے۔

ذوق اور غالب کی قصیدہ نگاری کا موازنہ:

ذوق کے ہاں شعوری کوشش معلوم ہوتی ہے رعب وداب اور شان و شوکت کا انداز ہے۔ مشکل زمینیں ہیں جو [illegible] قصیدے کی خصوصیات ہیں۔ اس کے برعکس غالب کے ہاں خالص سادگی ہے جو غزل کا خاصہ ہے

اس کی اپنی تصنیف کے مطابق پرکھا جاتا ہے۔

(۱۳) تجزیاتی تنقید:

اس میں کسی بھی ادب پارے کے بنیادی اوصاف کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔

(۱۴) ہیئتی تنقید:

اس میں کسی بھی صنف کی ہیئتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

ارسطو اور بوطیقا

فکری لحاظ سے ارسطو جمالیات کا قائل ہے۔ نغمگی اور آہنگ کے نثر پاروں اور شاعری کو عظیم قرار دیتا ہے۔ افلاطون جس نے ایک مثالی ریاست کا تصور پیش کیا تھا۔ اس کے بارے میں اس نے صاف کہہ دیا کہ مثالی ریاست میں شاعر کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس لیے شاعر کو ریاست بدر کیا جائے کیوں کہ ان کا کام جھوٹ پر مبنی ہوتا تھا۔ اس طرح ارسطو شاعر کو فلسفی مانتے ہیں۔ بہ شرطیکہ ان کا کلام حق اور سچ پر مبنی ہو۔

بوطیقا:

ارسطو کی کتاب بوطیقا کو تنقید کا نقش اول سمجھی جاتی ہے۔ اس میں کل ۲۶ ابواب ہیں مگر نہایت مختصر کتاب ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ موجود ہے۔ دوسرا حصہ گم شدہ ہے۔ اس کتاب میں جو نظریات ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) شاعری کے بارے میں نظریات (۲) ڈرامے کے بارے میں نظریات (۳) المیہ (۴) تزکیہ نفس (۵) المیہ کے عناصر۔

ارسطو کا موضوع:

ارسطو کا اصل موضوع ڈراما تھا۔ لیکن اس وقت ڈراما منظوم ہوا کرتا تھا۔ اس لیے ڈرامے کا ذکر ارسطو نے شاعری طور پر کیا ہے۔

شاعری کے بارے میں نظریات:

(۱) افلاطون کا گہرا اثر ہے (۲) شاعری زمان و مکان کے قید سے آزاد ہوتی ہے (۳) عظیم شاعری میں مواد اصلی ہو مصنوعی نہ ہو (۵) شاعری فن تقلید ہے (۶) شاعری اور فلسفے کی جڑ ایک ہے (۷) شاعری سے اثر قبول کرنے والے آفاقی ہوتے ہیں۔

ارسطو اور جمالیاتی قدریں:

ارسطو کے ہاں فن فطرت کی تقلید کرتا ہے۔ اس لیے وہ جمالیاتی قدروں کے قائل ہیں اور

افلاطون کے برعکس شاعری اور فن کے جمالیاتی قدروں کو مدنظر رکھا ہے اور اسے اولیت کا درجہ دیتے ہیں۔

نقالی کے متعلقات اور ارسطو:

تین طرح سے ہیں (۱) اشیا وحالات سے نقالی (۲) خاص وسیلے کے ذریعے (۳) الفاظ کے ذریعے۔

کردار، ادب، موضوع اور شاعری:

موضوع کے لحاظ سے ارسطو شاعری اور ادب کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

(۱) کردار مثالی ہو تو شاعری المیہ یا رزمیہ ہوگی۔

(۲) اگر کردار مضحکہ خیز ہو تو شاعری مزاحیہ یا طنزیہ ہوگی۔

(۳) شاعری میں کردار حقیقی ہو اور عام زندگی کا عملی نمونہ نہ کہ صرف فرشتہ نہ شیطان۔

اخلاقی قدریں اور ارسطو:

افلاطون شاعر کے معلم اخلاق کے قائل تھے اور اسے اولیت کا درجہ دیتے تھے۔ جب کہ ارسطو جمالیاتی قدروں کو اول اور اخلاقی قدروں کا ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ ارسطو کے ہاں شاعر کو صرف معلم اخلاق نہیں ہونا چاہیے۔

وزن اور موزونیت کے حوالے سے ارسطو کی نظریات:

ارسطو کے ہاں وزن اور موزونیت جمالیات کی اساس ہے اور اسے بنیادی عنصر خیال کرتے ہیں۔ پھر بھی ارسطو اسے شاعری کے لے لازمی قرار نہیں دیتے۔ وزن اور قافیہ کی پابندی سے عظیم شاعری تخلیق نہیں ہوسکتی۔ ہاں وہ صرف اسی صورت میں اس کے قائل ہیں کہ شاعری میں سچائی ضرور ہو۔

شاعری کی قسمیں اور ارسطو:

چار اقسام ہیں۔

(۱) المیہ (وہ کہانی یا شاعری جس کا انجام غم ناک ہو)

(۲) رزمیہ (وہ کہانی یا شاعری جو جنگ و جدل کے واقعات پر مبنی ہو)

(۳) طربیہ (وہ کہانی یا شاعری جس کا انجام خوشی اور مسرت پر ہو)

(۴) غنائیہ (ایسی کہانی یا شاعری جو زیادہ تر نغمات پر مشتمل ہو)

ارسطو اور المیہ:

ارسطو کے ہاں "المیہ ایک سنجیدہ عمل تقلید ہے جو ڈرامائی ہیت میں ہو، رحم اور خوف کے باعث جذبات

ے زکیہ نفس کے موجب ہو"

یہ کے عنصر:
(۱) تقلیدی عمل (۲) ابتدا وسط اور انتہا میں منطقی ربط (۳) عام فہم انداز میں منطقی انجام تک پہنچانا۔

زکیہ نفس
المیہ کی وجہ سے رحم و خوف کے جذبات کا انخلا "تزکیہ نفس" ہے۔

یہ کے عناصر ترکیبی:
کل چھ ہیں۔

(۱) پلاٹ:
جس کو ارسطو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اسے المیہ کا بنیادی جز مانتے ہیں۔

(۲) کردار:
اس حوالے سے ارسطو کا خیال ہے کہ ہر کردار اپنے پیشے کے مطابق ہو اگر کوئی کاشتکار ہو تو اسے اپنے پیشے کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہوں، کرداروں میں ارسطو ہیرو کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ ہیرو درمیانے درجے کا ہو نہ شیطان، نہ فرشتہ اور نہ بدمعاش نہ ولی۔

(۳) فکری مواد:
ارسطو المیہ کے لیے فکری مواد کو خارج سے حاصل کرنے کے حق میں ہیں یعنی فطری ہوں یا فطرت سے اخذ کردہ ہوں۔

(۴) زبان و بیان:
ارسطو عام فہم زبان کے حق میں ہیں مگر عامیانہ ہو۔

(۵) نغمہ:
نغمہ کا مقصد المیہ میں لطف اور مسرت پیدا کرتا ہے اس لیے ارسطو کا خیال ہے کہ نغمہ خارجی طور پر پیش کیا جائے۔

(۶) منظر:
(لباس، اسٹیج) وغیرہ جس کو ارسطو زیادہ اہمیت نہیں دیتے پھر بھی کسی حد تک قائل ہیں۔

لون جائنس کا تصور ترفع:

شاعری سے مزہ اٹھانے والے جب الہامی اور جنونی کیفیت سے ہم آہنگ ہو جائے تو ترفع کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں"

لون جائنس کے مطابق "عظمت بیان دراصل عظمت خیال کی بازگشت ہے" یعنی اگر خیال عظیم ہو تو بیان بھی عظیم ہوگا اور جب بیان عظیم ہوگا تو قاری پر اثر کر کے اسے وجد میں لا کر خالق فن پارے کا ہم پلہ ہو جائے گا۔ سچا ادب وہ ہے جس میں تاثیر موجود ہو جو قاری کے دل و دماغ پر چھا کر اسے عالم وجد میں لائے اور قاری اپنی سطح سے اٹھ کر خالق کا ہم پلہ ہو جائے اور دونوں کی سطح ایک ہو جائے ترفع کہلاتا ہے۔ ترفع کے بارہ ۵ اجزا لون جائنس نے بتائے ہیں۔

(۱) عظمت خیال (۲) شدت جذبات (۳) صنائع بدائع کا عمدہ استعمال (۴) Diction

Composition(۵)

کولرج کے تنقیدی مباحث:

کولرج نے قوت متخیلہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

اولین متخیلہ:

لاشعوری قوت ہے اور اس کے ذریعے ذہن حسیاتی ادراک حاصل کرتا ہے۔

ثانوی متخیلہ:

شعوری قوت ہے جو اولین متخیلہ یعنی لاشعوری متخیلہ کے فراہم کردہ تصورات اور تاثرات کو نئے انداز میں پیش کرتے ہوئے فن پاروں کی تخلیق کرتی ہے۔ چوں کہ شاعری کی بنیادی قوت متخیلہ یعنی سوچنے کی قوت ہے اس لیے شاعری شعوری اور لاشعوری دونوں قوتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔

شاعر اور شاعری:

کے بارے میں کولرج کا خیال ہے کہ اس کے لیے بلند قوت متخیلہ نہایت ضروری ہے۔ کولرج شاعر اور شاعری میں تمیز نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں شاعر کو زبردست قوت ارادی، بلند جذبات اور شہ زور متخیلہ کا حامل ہونا چاہیے۔

شیریں کلامی:

کے حوالے سے کولرج کا خیال ہے کہ شاعری کے لیے یہ ایک جز ہے۔ یہ کلام کا حسن ہے۔ ان کے خیال

فصل سوم

(علم البیان و بدیع)

الطاف حسین حالی اور تنقید نگاری:

''مقدمہ شعر و شاعری'' حالی کی بہترین اور اردو ادب کی تنقید نگاری کی پہلی کتاب ہے۔ شاعری کا مقصد جذبات کو برانگیختہ کرنا ہے اخلاقی پہلو پر زور دیتا ہے۔ افلاطون کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ ان کی تنقیدی شعور کی نشوونما پر سرسید، غالب اور شیفتہ کا اثر ہے۔ حالی نے شاعری کی ماہیت، اس سے تعلق اور لوازم زبان کے مسائل کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ شعر کی تاثیر پر زور دیا ہے اخلاقی پہلو شاعری کے لیے [illegible] مقصدیت پر زور دیتا ہے۔ حالی نے اچھی شاعری کے لیے تین شرائط وضع کیے ہیں۔ تخیل، [illegible] مطالعہ، اچھے بہترین الفاظ کا استعمال۔ حالی کے خیال میں شاعری میں تین چیزیں ہونی چاہیے۔ سادگی، اصلیت [illegible] فطرت اور جوش۔ حالی نے قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ نگاری پر بھی بات کی ہے۔ اس حوالے سے وہ مبالغے کی بجائے حقیقت نگاری پر زور دیتا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کی تنقید نگاری:

''شعر العجم'' شبلی کی تنقید کی عمدہ کتاب ہے۔ حالی اور شبلی کی تنقید نظریات میں جو بات مشترک ہے وہ ہے جذبات کو برانگیختہ کرنا شاعری ہے۔ شعر العجم ایرانی شعرا کی تاریخ اور تنقید ہے۔ شبلی کے ہاں ''جو جذبات الفاظ کے ذریعے ادا ہوں وہ شعر ہے'' شبلی نے شعر کی ماہیت پر بھی بحث کی ہے۔ محاکات اور تخیل کو زیر بحث لایا ہے۔ ان کے خیال میں یہ دونوں مل کر ہی عظیم شعر تخلیق ہو سکتی ہے۔ شبلی اچھے الفاظ پر بھی زور دیتا ہے۔ شاعری پر بد نسلی کے اثر کو بھی واضح کیا کہ بد نسل لوگوں کے ہاتھوں شاعری رکھیل بن گئی ہے۔ فارسی غزل کے محبوب کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ وہ بازاری ہے۔ اس کے سیکڑوں عاشق ہیں۔ شبلی نے عملی تنقید میں تاریخی نفسیاتی، تقابلی اور جمالیاتی تنقید اصولوں کو خوب برتا ہے۔

شہ پارلی زبان میں شاعری کے لیے زیادہ موزوں نہیں کیوں کہ ہر زبان میں ہر لفظ جذبے کی تخلیق ہے۔ میرے خیال

شعری زبان کے حوالے سے کولرج کی بات میں تضاد نظر آتا ہے اور اس حوالے سے ان کا نظریہ جذباتی ہے اور

دوسرے فیروزنی اور معروضی مشاہدے کی توقع رکھتا ہے۔

وحدت کل:
کولرج مختلف خیالات اور مناظر کو ایک جذبے میں پرونے کے قائل ہیں۔

احساس ترفع:
کولرج احساس ترفع کو داخلی احساس تصور کرتا ہے۔

ذوق سلیم:
کسی چیز یا بات کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی حسن وخوبی کا اندازہ لگانے کا ملکہ ذوق سلیم ہے اور کولرج اس

پر بہت زور دیتے ہیں۔ اور اسے عقل وحواس کے درمیانی کڑی سمجھتا ہے۔

میتھو آرنلڈ کی تنقیدی نظریات:

(1) ادب تنقید حیات ہے۔ (2) آرنلڈ اپنے زمانے کی مادیت کے خلاف ہیں۔ (3) روحانی قوت اور قدما کی تقلید کرتے ہیں۔ (4) ادب کی افادیت پر زور دیتا ہے۔ (5) تہذیب کو مذہب پر فوقیت دیتا ہے (6) روایت اور کلاسیکیت کی پرچار کرتا ہے۔ (7) شاعری میں عظیم موضوعات لازمی قرار دیتا ہے۔ (8) شاعری کے عظیم اسلوب اہم خیال کرتا ہے۔

ٹی ایس ایلیٹ کی تنقیدی نظریات:

(1) تاثراتی تنقید کے قائل نہیں۔ (2) ادب کے وسیع مطالعہ کے بہ غیر تنقیدی اصول مرتب کرنا نقاد کی شان نہیں۔ (3) فن پارے کی قدر متعین کرنا نہ کہ صرف تشریح کرنا۔ (4) راویتی تصور کے خلاف ہیں۔ ان کے ہاں روایت سے مراد فطرت ثانیہ، عادات و اطوار ہیں جو ایک جگہ رہنے والوں کی دلی تعلق کو ظاہر کرے۔ (5) شاعر اور شاعری کے حوالے سے ان کا نظریہ ہے کہ شاعری شخصیت کا اظہار نہیں بلکہ گریز ہے۔ (6) پرانی اور نئی نظم ایک دوسرے کے معیار کے مطابق پرکھنا چاہیے۔ (7) کلاسیک کے بارے ان کا نظریہ ہے کہ عظیم ادب ہی کلاسیک ہے۔ حال، ماضی اور مستقبل تینوں کا کلاسیک میں ہونا ضروری ہے ان کا نظریہ کلاسیک رزمیہ سے مشابہ ہے۔
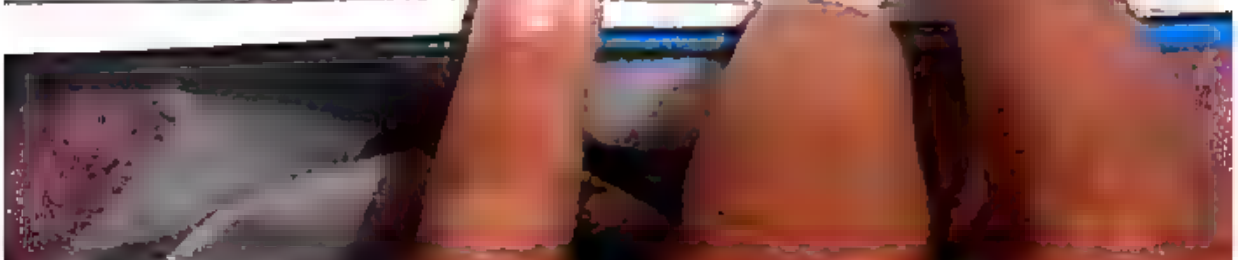
علم بیان کی تعریف: علم بیان ان قاعدوں کا نام ہے جن کے ذریعے ہم ایک بات کو معنی کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے اس طرح ادا کریں کہ بیان موثر اور دلنشیں ہو اور اسلوب میں ندرت پیدا ہو۔ سید عابد علی عابد نے علم بیان کی تعریف یوں کی ہے۔

"یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے شاعر، ادیب، انشاپرداز اور نقاد اظہار مطلب کے لئے موزوں ترین الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔"

علم بیان کی اقسام:

۱۔ تشبیہ:

علم بیان کا اہم رکن ہے۔ کلام کو موثر بنانے اور دلنشیں انداز میں سامع یا قاری کے ذہن میں اتارنے کے لئے اس کا استعمال ہماری روزمرہ کی گفتگو میں عموماً ہوتا ہے۔

تشبیہ کے لغوی معنی مانند اور تمثیل کے ہیں۔ "یعنی ایک چیز کو کسی خاص صفت کی بنا پر دوسری چیز سے مشابہ قرار دینا جن میں وہ صفت مسلمہ طور پر پائی جاتی ہو" تشبیہ کہلاتا ہے۔

تشبیہ کے ضمن میں دوسری چیز جس کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تشبیہ دی جانے والی چیز اور جس سے تشبیہ دی جائے، دونوں کی وہ خصوصیات بالکل یکساں نہ ہوں جن کی بنا پر تشبیہ دی گئی ہو، ورنہ یہ تشبیہ نہیں تشابہ ہوگا۔ مثلاً یہ کہنا کہ "اکبر اسلم کی طرح بہادر ہے" تشبیہ نہیں تشابہ ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جاتا ہے "اکبر شیر کی طرح بہادر ہے" تو پھر اسے ہم تشبیہ کہہ سکتے تھے۔ علامہ اقبال کے اس شعر کو ملاحظہ کیجئے یہاں بھی تشبیہ نہیں تشابہ ہے۔

تیرے بھی صنم خانے ، میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی ، دونوں کے صنم فانی

ارکان تشبیہ:

"پیرس کی سڑکیں آئینے کی طرح شفاف ہیں" اس مثال میں پیرس کی سڑکوں کو آئینہ سے تشبیہ دی گئی ہے، جس صفت کی بنا پر تشبیہ دی گئی ہے وہ ہے "شفاف" جس کے ذریعے ہمارا ذہن تشبیہ کی طرف منتقل ہوا ہے وہ لفظ "طرح" ہے۔ پس:

جس چیز کو تشبیہ دی جائے وہ ''مشبہ'' کہلاتی ہے۔
جس سے تشبیہ دی جائے وہ ''مشبہ بہ'' کہلاتی ہے۔
جس صفت کی بنا پر تشبیہ دی جائے اسے ''وجہ شبہ'' کہتے ہیں۔
جس لفظ سے تشبیہ سمجھ میں آئے وہ ''حرف شبہ'' کہلاتا ہے۔
اوپر دی مثال میں ''پیرس کی سڑکیں'' مشبہ، ''آئینہ'' مشبہ بہ، ''شفاف'' وجہ شبہ اور ''طرح'' حرف شبہ

نثر میں تشبیہ کی مثالیں:
عالم بے عمل ایسا ہے جیسے گدھے پر کتابیں لدی ہوں۔
اس کے لب گلاب کی پنکھڑی کی طرح ہیں۔
چشمے کا پانی شہد کی طرح میٹھا ہے۔
غصے کی وجہ سے اسلم کا چہرا آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔

اشعار میں تشبیہ کی مثالیں:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھ مر چلے

پر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے دیکھیے کیا ہوتا ہے

(غالب)

آخری شعر میں شکوے سے پر ہونے کو باجے کے راگ سے تشبیہ دی ہے۔

۲۔ مجاز مرسل:
استعارہ میں الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوتے لیکن حقیقی معنوں اور مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔ یہ تعلق کئی طرح کا ہو سکتا ہے۔ مثلاً

صاحب کہہ دینا۔

مثال:

بیزار رہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

(فاطمہ صغریٰ بیماری کی حالت میں اپنے آپ کو مردہ کہتی ہے)

x۔ تضاد کا علاقہ

یعنی کسی بخیل کو حاتم کہہ دینا یا احمق کو افلاطون

مثال:

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

۳۔ استعارہ

جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق موجود ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔

استعارہ کے لغوی معنی ''ادھار لینا'' ہیں اور حقیقت میں تشبیہ کے مختصر کرنے اور اس میں مبالغہ پیدا کرنے کا نام استعارہ ہے۔ استعارہ بظاہر تشبیہ کی ایک ایسی قسم دکھائی دیتا ہے جس میں حرف شبہ موجود نہ ہو مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ ''زید'' چاند کی طرح خوبصورت ہے تو یہ تشبیہ ہوگی کیوں کہ اس میں تشبیہ کے تمام ارکان موجود ہیں۔ لیکن اگر حرف مشبہ ''طرح'' نکال کر یہ کہا جائے کہ ''زید چاند ہے'' تو یہ استعارہ ہو جائے گا۔ تشبیہ کی طرح استعارہ بھی چند ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔

الف: مستعار لہ: وہ شخص یا چیز جس کے لیے کوئی لفظ مستعار لیا گیا ہو۔

ب: مستعار منہ: وہ شخص یا چیز جس سے لفظ مستعار لیا گیا ہو۔

ج: مستعار: وہ لفظ مستعار لیا گیا ہو۔

د: وجہ جامع: جس مشابہت کی بنا پر کوئی لفظ مستعار لیا گیا ہو۔

اوپر والی مثال میں زید مستعار لہ ہے، چاند مستعار منہ ہے اور مستعار بھی وجہ جامع خوبصورتی ہے۔ تشبیہ میں مشبہ استعارہ میں مستعار لہ تشبیہ کا مشبہ بہ استعارہ میں مستعارہ منہ ہو جاتا ہے جب کہ وجہ شبہ یہاں وجہ جامع کہلاتا ہے۔ جب کہ حرف شبہ استعارے میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

V۔ ظرف بول کر مظروف مراد لینا:

مثلاً یہ کہنا کہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ساغر نہیں پیا جاتا اس میں موجود شراب پی جاتی ہے۔

VI۔ مظروف بول کر ظرف مراد لینا:

مثلاً یہ کہنا کہ "سالن ڈھانپ دو" مراد یہ ہے کہ سالن والا برتن ڈھانپ دو۔

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

عشق سے مراد صاحب عشق یعنی عاشق سے ہے۔

VII۔ آلہ بول کر صاحب آلہ یا وہ چیز مراد لینا جس کے لئے وہ آلہ بنا ہو:

مثال

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستان میں دھوم ہماری زبان کی ہے

یہاں زبان آلہ ہے لیکن اس سے مراد "بولی" ہے جو منہ والی زبان کے ذریعے بولی جاتی ہے۔

VIII۔ ماضی کی حالت سے موجودہ حالت مراد لینا:

مثلاً کسی ریٹائرڈ فوجی جنرل کو جنرل صاحب کہہ دینا جب کہ اب وہ عملی طور پر جرنیل نہیں رہا یا انسان کو مشت خاک کہنا یا کسی بوڑھے کو بچہ کہہ دینا۔ مثال:

الٰہی کیا کیا تو نے کہ عالم میں تلاطم ہے
غضب کی ایک مشت خاک زیر آسماں رکھ دی

IX۔ مستقبل کی حالت کو موجودہ حالت سے تعبیر کرنا:

مثلاً: حج پر جانے والے کسی شخص کو حاجی کہہ دینا یا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو ڈاکٹر
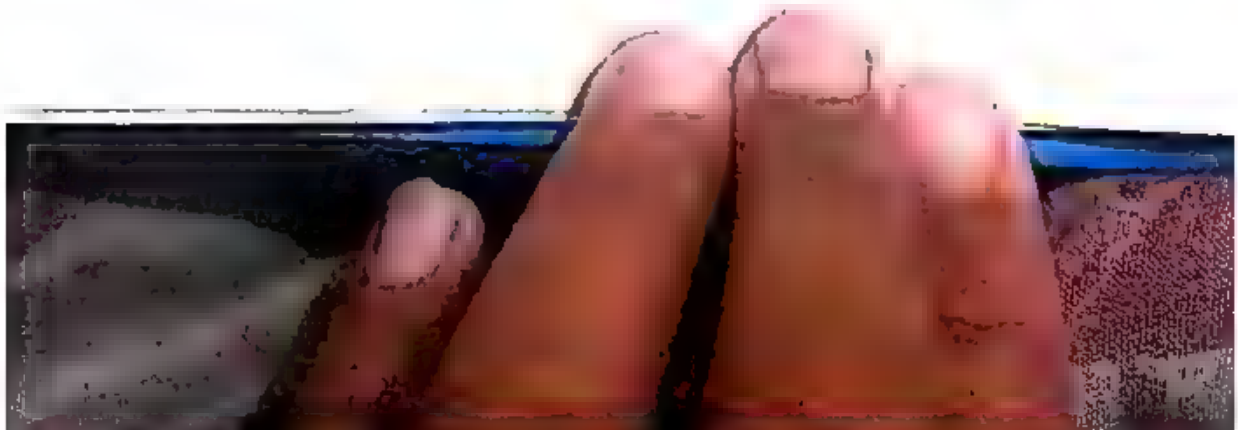
ii۔قلب:

قلب کے معنی الٹ دینا ہیں۔کلام یا عبارت میں دو ایسے الفاظ لانا کہ ایک کو الٹا کرنے سے دوسرا لفظ بن جائے مثلاً کاخ، وخاک، حور وروح، رام ومار، تاب بات، بارش ،شراب۔

اس کی تین صورت ہیں: قلب کل ،قلب بعض اور قلب مستوی

iii۔صنعت اشتقاق:

کلام میں چند الفاظ ایسے لائیں جو ایک ہی مصدر سے مشتق ہوں یا ان کا ماخذ ایک ہی ہو۔

مثال

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہاں آرا

iv۔تنسیق الصفات:

تنسیق کے لفظی معنی ہیں ترتیب دینا۔کلام میں متواتر اور مسلسل صفات کا بیان خواہ یہ صفات اچھی ہوں یا بری: مثالیں۔

کہ واں اک جواں تھا پرس رام نام
خوش اندام و خوش قامت و خوش خرام

v۔رعایت لفظی:

کسی لفظ کو اس طرح استعمال کرنا کہ اس کے دو معنی نکلیں۔ایک معنی تو موقع محل کے اعتبار سے عین مطابق ہوں اور سننے والے کا ذہن بھی اسی طرف جائے لیکن ذرا غور کرنے پر اس سے کوئی دوسرا معنی نکلے جس سے سننے والا محظوظ ہو۔

رعایت لفظی زندگی کی ناہمواریوں کو مزاحیہ طریقے سے بیان کرنے کا نام ہے اور اسے استعمال کرنے کے لئے زبان پر مہارت ضروری ہے لکھنو کے شاعروں نے اس صنعت کا پورا استعمال کیا ہے۔

بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضمون لکھا
شہر میں مضمون نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

بوٹ کی رعایت سے ''جوتا چلنے'' کا محاورہ استعمال ہوا۔ یہ ذو معنی ہے ایک معنی ہیں ''جوتا رواج پا گیا' دوسرے معنی ہیں'' دنگا فساد ہو گیا'' شاعر کی مراد یہی دوسرے معنی ہیں۔

i۔ جز بول کر کل مراد لینا:

یعنی جو لفظ جز کے لیے وضع کیا گیا ہو اسے کل کے معنوں میں استعمال کرنا۔ مثلاً یہ کہنا کہ دشمن نے ہتھیار [illegible] ڈال دیے (یعنی صلح کر لی) صلح میں ہتھیار ڈال دینا سے مراد شکست تسلیم کر لینا ہے ظاہر ہے ہتھیار [illegible] ہے۔ مثال:

سنگ پھینکے ہے مری قبر پہ گل کے واسطے
گالیاں دے ہے پس مرگ بھی قل کے واسطے

"قل" مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد ایک سورت قل ہو اللہ احد [illegible] تین دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھنا ہے۔

ii۔ کل بولنا اور جز مراد لینا:

جو لفظ کل کے لیے وضع کیا گیا ہو اسے جزو کے معنی میں استعمال کرنا مثلاً:

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جام جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

بازار سے مراد پورا بازار نہیں بلکہ صرف ایک دکان ہے۔

iii۔ سبب بول کر مسبب (نتیجہ) مراد لینا:

مثلاً: اس فقرے میں کہ "بادل کھل کر نہیں برسا" یہاں بادل بارش کا سبب ہے جب کہ بارش مسبب ہے۔ کہنے والے کی مراد بارش مسبب ہے لیکن اس نے صرف سبب سے کام لیا ہے۔ اسی طرح "تخت سلامت رہے" سے مراد اور اصل بادشاہ سلامت رہے ہے مزید مثالیں:

جہاں کی پرورش اپنے لہو سے کرتا ہے
تو اس کے پیکر سادہ میں رنگ بھرتا ہے

لہو سے شاعر کی مراد خون نہیں بلکہ قوت ہے جو لہو کی بدولت ہی پیدا ہوتی ہے۔

iv۔ مسبب (نتیجہ) بول کر سبب مراد لینا:

مثلاً یہ کہنا کہ چولہے میں آگ جل رہی ہے، حالانکہ چولہے میں دراصل لکڑیاں جلتی ہیں نہ کہ آگ۔ مثالیں

اس کا کوئی گود کا پالا نہ تھا
گھر میں کوئی گھر کا اجالا نہ تھا

[illegible] صبح کی آمد ہے کہ [illegible]
[illegible] طرف [illegible]

(۱۰۰)

شاعر نے محبوب [illegible] سے کمر کی [illegible] واضح طور پر [illegible] ہے۔

صنم سنتے ہیں تیری بھی کمر ہے
کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے

[illegible]

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

[illegible] کا اشارہ مرزا غالب کی طرف ہے۔

عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

کنایہ:

کنایہ کے لغوی معنی ہیں چھپا کر بات کہنا۔ یعنی بات کچھ اس طرح کرنا کہ مدعا کی وضاحت نہ ہونے پائے۔ یعنی اصطلاح میں کنایہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں کچھ اس طرح استعمال کیا جائے کہ حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لئے جاسکیں۔

اصل میں کہنے والے کی مراد مجازی معنوں سے ہی ہوتی ہے لیکن اس سے واضح طور پر حقیقی معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں اور یوں کہنے والا اس خفت سے بچ جاتا ہے۔ جو اس مجازی معنوں کے ضمن میں اٹھانی پڑسکتی ہے۔ مثال کے طور پر ''میں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کئے'' کہنے والے کی مراد یہ ہے کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اس لئے تجربہ کار ہوں۔ ظاہر ہے بوڑھوں اور بڑوں کے بال سفید ہوتے ہی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ مجازی معنوں سے حقیقی معنی تک پہنچنے کی واسطوں اور ذریعوں سے ہو لیکن ذہن کو وہاں تک رسائی ضرور ہونی چاہئے۔ کنایہ کے دو اجزاء ہیں۔ صفت اور موصوف، اوپر والی مثال میں سفید بال صفت اور بوڑھا آدمی موصوف ہے۔ مثال

صبح آیا جانب مشرق نظر
اک نگار آتشیں رخ سر کھلا

''صبح کے وقت ہمیں مشرق کی جانب ایک ایسا خوبصورت، پیکر نظر آیا جو نہایت سرخ تھا اور اس کا سر بھی

علم بدیع

بدیع کے لغوی معنی "اچھوتے" اور "نادر" کے ہیں۔ جس علم کے ذریعے کلام میں لفظی اور معنوی خصوصیت کی بدولت اچھوتا پن پیدا کیا جائے اُسے علم بدیع کہتے ہیں۔ کلام کی خوبصورتی اور دلکشی کے ضامن درج ذیل علم ہیں:

الف: قواعد صرف و نحو　　ب: علم بیان　　ج: علم بدیع

علم صرف کلام کی بنیاد، علم نحو اس کی دیواریں اور چھت، علم بیان اس کا پلستر، اور علم بدیع آرائشی نقش و نگار اور رنگ روغن ہیں۔

علم بدیع کی اقسام:

علم بدیع کی دو بڑی اقسام ہیں:

ا۔ صنائع لفظی:

کلام میں لفظی آرائش سے شان و شوکت پیدا کرنا صنائع لفظی کہلاتی ہے۔

صنائع لفظی کی اقسام:

ا۔ تجنیس:

تجنیس کے لغوی معنی "ہم جنس ہونا" ہیں۔ کلام میں ایسے دو یا دو سے زیادہ الفاظ لانا جو تلفظ میں ایک دوسرے سے مشابہ یا قریب مشابہ ہوں۔ لیکن معنی کے لحاظ سے مختلف ہوں۔ اس صنعت کے استعمال سے نظم و نثر میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

تمہارے دست نازک کے لیے بھیجی تھی ایک پہنچی
خبر پہنچی تو یہ پہنچی کہ وہ پہنچی نہیں پہنچی
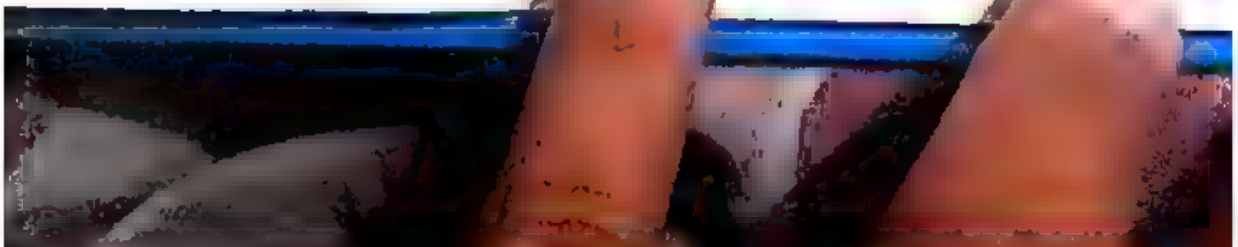
کھلا ہوا تھا۔ مراد سورج ہے لیکن نام نہیں لیا گیا بلکہ اس کی صفات بیان کی گئی ہیں اور تصور سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

شاعر کہتا ہے کہ چونکہ بچپن ہی میں مجھ میں عاشقی کے اثرات تھے اس لئے میں نے مجنوں کو پتھر نہیں مارے کہ آگے چل کر میرے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔

نوٹ: ایما یا اشارہ کو بھی کنایہ کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک کنایہ قریب اور ایما میں کوئی فرق نہیں ہے۔

vi۔ صنعت ذوقافتین یا ذو القوافی:

ہر شعر میں دو یا دو سے زیادہ قوافی لائے جائیں۔

تیرے لبوں کو جیبوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآں کو سینوں سے لگایا ہم نے

vii۔ سیاقۃ الاعداد:

کلام میں اعداد کا ذکر کرنا۔ خواہ ترتیب سے ہوں یا بغیر ترتیب کے مثال:

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

viii۔ صنعت تلمیع:

کلام میں ایک سے زیادہ زبانوں کو جمع کرنا۔ مثلاً

دھوپ کی تابش ، آگ کی گرمی
وقنا ربنا عذاب النار

ix۔ تضمین:

کسی شاعر کے کسی مصرع پر مصرع لگانا:

جس مصرعے کی تضمین کی جائے اُسے واوین ("") میں رکھا جاتا ہے۔

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
"نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کم یابی"

۲۔ صنائع معنوی:

کلام میں مفہوم اور معانی میں ایسی خوبی پیدا کرنا جو خوبصورتی کے ساتھ تاثیر میں اضافے کا باعث بھی ہو، صنائع معنوی کہلاتی ہے۔

صنائع معنوی کی اقسام:

ا۔ صنعت تضاد یا طباق:

کلام میں دو یا دو سے زیادہ ایسے الفاظ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں مثلاً خوشی۔ غم، دن۔ رات، زمین۔ آسمان، آگ۔ پانی۔

۱۰۔ لف و نشر

لغت میں "لف" کے معنی لپیٹنا اور "نشر" کے معنی پھیلانا کے ہیں۔ جب اول چند چیزوں کا ذکر کیا جائے اور پھر چند دوسری چیزوں کا ذکر ہو۔ کلام کا وہ حصہ جس میں چند معانی یا اشیاء کا ذکر ہو "لف" اور جس حصے میں "لف" کے معانی سے مناسبت رکھنے والی چیزوں کا ذکر ہو "نشر" کہلاتا ہے۔

ترے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا ، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

۱۱۔ صنعت تلمیح:

کلام میں کسی آیت قرآنی، حدیث نبوی ﷺ، یا کسی مشہور تاریخی واقعہ یا علمی اصطلاح کا ذکر کرنا۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

ii۔ ایہام:

لفظی معنی وہم میں ڈالنا، کلام میں دو ایسے الفاظ رانا جس کے دو معنی نکلتے ہوں۔ ایک معنی قریب اور دوسرے بعید کلام کو سنتے ہی یہ وہم ہو کہ معنی قریب مراد ہیں۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہو کہ معنی بعید مراد ہیں۔ مثال

گلدستہ معنی کو عجب ڈھنگ سے باندھوں
ایک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

پھولوں کی وجہ سے رنگ کے قریبی معنی ذہن میں آتے ہیں لیکن یہاں معنی بعید یعنی طرز بیان اور اسلوب دو امراد ہے۔

iii۔ حسین تعلیل:

کسی چیز کی کوئی ایسی علت (سبب) بیان کرنا جو دراصل اس کی علت درجہ نہ ہو لیکن اس کا استعمال اتنی خوبصورتی سے ہوا ہو کہ بظاہر اس کے باور کرنے ہی میں لطف آئے۔ مثلاً:

"شام کو جب تم سیر کو نکلتے ہو تو آفتاب شرما کر غروب ہو جاتا ہے"

غروب کی وجہ اور ہوتی ہے لیکن اس کی علت محبوب کو قرار دیا گیا ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ حسن فنا نہیں ہوا اور اہل حسن مرنے کے بعد لالہ و گل کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

iv۔ مراعاۃ النظیر:

مراعات، کے معنی ملحوظ رکھنا اور نظیر کے معنی ہیں 'مثال' ایک چیز کی مناسبت سے کلام میں مماثل چیزوں کو جمع کر دینا۔ مثلاً باغ، بلبل، گل، نرگس، شرط یہ ہے کہ دونوں میں تضاد کی نسبت نہ ہو۔

حرم پاک بھی اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فصل چہارم

(عظیم شعرا اور ان کے اشعار)
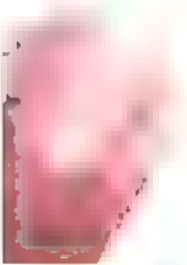
امیر خسرو: ـ خسرو شیرین بیاں رنگین
نغز باش از ضمیر کن نکاں

قلی قطب شاہ: ـ محبت کی سلطانی ہے سب جگت میں
کہ اس سم نہیں کوئی گیانی و دانی

ولی دکنی: ـ شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

ـ خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

مظہر جان جاناں: ـ خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

میر تقی میر: ـ نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

خواجہ میر درد: ـ باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

مرزا رفیع سودا: ـ جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے

یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

مصحفی غلام ہمدانی:

- مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

حیدر علی آتش:

- شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا
- بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

امام بخش ناسخ:

- زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

جرات قلندر بخش:

- اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی
اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

انشاءاللہ انشا:

- عجب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے
کہاں ملاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے

سعادت یار خان رنگین:

- غیر کی خاطر سے تم یاروں کو دھمکانے لگے
آکے میرے روبرو تلوار چمکانے لگے

مرزا غالب:

- نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مومن خان مومن:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

ابراہیم ذوق:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

بہادر شاہ ظفر:

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

حسرت موہانی:

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

داغ دہلوی:

ہزاروں کام محبت میں ہیں مزے کے داغ
جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

علامہ محمد اقبالؒ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ناصر کاظمی:

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

فراز احمد فراز:

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

فراق گورکھپوری:

ہم سے کیا ہوسکا محبت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

پروین شاکر:

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا

حبیب جالب:

اب درندوں سے نہ حیوانوں سے ڈر لگتا ہے
کیا زمانہ ہے کہ انسانوں سے ڈر لگتا ہے
عزت نفس کسی شخص کی محفوظ نہیں
اب تو اپنے ہی نگہبانوں سے ڈر لگتا ہے
ڈنکے کی چوٹ پہ ظالم کو برا کہتا ہوں
مجھے سولی سے نہ زندانوں سے ڈر لگتا ہے

مقبول عامر:

یہی چنار یہی جھیل کا کنارا تھا
یہیں کسی نے میرے ساتھ دن گزارا تھا
مرے خلاف گواہی میں پیش پیش رہا
وہ شخص جس نے مجھے جرم پر اُبھارا تھا

غلام محمد قاصر:

کروں گا کیا جو محبت میں ہوگیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا